پاکستانی رسائل سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستانی رسائل سے

۲۳ صفحات کا ایک کتابچہ جس میں مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں

۱) ہمارے نواب از ... کراچی جولائی ۱۹۸۰ء ۱ تا ۴

۲) نواب بہادر یار جنگ از محمد مشتاق ... [illegible]
کراچی مارچ ۱۹۷۵ء ۴ تا ۵

۳) نواب بہادر یار جنگ از ابراہیم جلیس ۶ تا ۷

۴) نواب بہادر یار جنگ — معمار پاکستان از محمد جاوید خان
مطبوعہ ادارہ تعمیر ادب ۱۹۸۸ء ۸ تا ۹

۵) تاریخ ساز شخصیت مجلہ جمہوریت پاکستان ۱۰ تا ۱۲

۶) نواب بہادر یار جنگ اور سندھ از کریم بخش خالد اعجاز
کراچی جون ۱۹۸۳ء سالنامہ ۱۳ تا ۱۹

۷) نواب بہادر یار جنگ از ڈاکٹر رضی الدین مطبوعہ ادارہ ...
لاہور تکمیل جولائی ۱۹۶۲ء ۲۰ تا ۲۱

۸) سید ... بہادر یار جنگ از ...
مطبوعہ ادارہ ... تکمیل جولائی ۱۹۶۲ء

دور جدید کراچی (۲۶) جولائی [illegible]

تحریر سید محمد اکبر وقاقانی (بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی)

ہمارے نواب

بہادر یار جنگ

ہماری نظر میں صرف ایک ہی نواب تھا اور وہ بہادر خاں المخاطب بہ بہادر یار جنگ تھا۔ لفظ نواب میں لیڈر، رہبر، حکیم، طاقتور شخصیت اور ہیرو کے معنی تھے مجھے یاد ہے کہ میں نے اس سرحدی نژاد بلند قامت، بھاری بھرکم نوجوان کو سب سے پہلے زمانہ طالب علمی میں دیکھا تھا دارالعلوم جامعہ عثمانیہ کے لئے سب سے پہلے مدرسہ فوقانیہ تھا۔ اور اس وقت میں میٹرک کا طالب علم تھا۔ اس زمانے میں منشی اور

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابل رشک اے اہل نظر
اک شب ہی میں پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

مولوی کامیاب طلباء کو یہ اجازت تھی کہ وہ صرف انگریزی کا پرچہ کامیاب کرکے میٹرک کی سند حاصل کرلیں۔ انھیں طلباً میں بہادر بھی تھا۔

شریف حسین، جمال الدین، عبداللطیف، عبداللہ مسعودوسی، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، سید ابراہیم وہ طالب علم تھے جن کے ساتھ ایک اعلیٰ جاگیردار خاندان کا فرد بھی تعلیم پا رہا تھا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ اس زمانے میں شریف حسین جو اس وقت جامعہ عثمانیہ میں ورزش جسمانی کے انسٹرکٹر ہیں ایک خاصے پہلوان تھے جو بہادر خاں سے قد و قامت میں کچھ کم نہ تھے۔ دوپہر کے وقفے میں ان دونوں کو ورزش کرتے میں نے دیکھا ہے۔ کشتی، پنجہ کشی، گاودزوری ان لوگوں کا مشغلہ تھا۔ مجھ سا کمزور جسم کا آدمی ان دو پہلوانوں کی ٹکر کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں میں انھیں رستم و سہراب کے ثانی محسوس کرتا تھا۔ اور خوش ہوتا تھا۔

کس کو معلوم تھا کہ دارالعلوم کا یہ پہلوان سیاست و خطابت کا رستم بنے گا۔ اور اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے سرزمین دکن کا وہ ہیرو ثابت ہوگا جس کے مقابلے میں سوائے ٹیپو سلطان کے کوئی دوسری اتنی بڑی شخصیت دکن کے مسلمانوں میں نظر نہ آئے گی۔

بہادر یار جنگ اور ٹیپو سلطان میں کئی مماثل خصوصیات تھیں۔ دونوں نے نامساعد زمانے میں مسلمانان دکن اور بالواسطہ مسلمانان ہند کو دوبارہ اوج کمال تک پہنچانے کی سر توڑ کوشش کی اور دونوں آصف جاہی سازشوں کا شکار ہوگئے۔ ایک سنت حسینی پوری کی اور دوسرے نے سنت حسنی۔ تاریخ اسلام میں سرور کائنات کے دونوں نواسے مومن کے اعمال کے نمونے ہیں۔ صداقت کے لئے طاغوتی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کا سبق انھیں دو یادگاروں سے حاصل ہوتا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ دو بڑے دکنی دماغ ان بزرگ ہستیوں کے اسوۂ حسنہ پر عامل ہوئے۔ اور ثابت کر دکھایا کہ اسلام ہر زمانے میں شہیدوں کے پیچھے ہیرو پیدا کرتا ہے۔

میں نے نواب کو پھر ۳۰ء میں دیکھا یہ وہ زمانہ تھا جب ہم نے کالج کی نیم پختہ تعلیم حاصل کرکے سند حاصل کی تھی۔ اور

علم و حکمت کا گھمنڈ سر میں لئے ہوئے حیدرآباد کی سڑکوں پر اس طرح گھومتے پھرتے تھے جس طرح سقراط، ایتھنز کی گلیوں میں گھوما کرتا تھا۔ بزعم خود غلط نوجوانوں کی نظر میں دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی ہیچ ہوتا ہے۔ کالج میں کوئی عصرانہ تھا۔ وہاں سے لوٹ کر عابد شاپ آئے۔ اس وسیع و عریض سڑک کی جانب نظامیہ ریستوران کے میدان میں بڑے بڑے شامیانے دیکھے معلوم ہوا کہ میلاد النبی صلعم کا جلسہ ہے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آلہ مکبر الصوت (SPEAKER) کی مدد کے بغیر مقرر کو اپنی آواز دور نزدیک سامعین تک پہنچانی پڑتی تھی۔ اس میں اکثر مقررین ناکام رہا کرتے تھے۔

ہم ابھی اس مقام سے دو سو قدم دور ہی تھے کہ ایک بلند آواز ہمارے کانوں میں آئی۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ جلسہ میں ایک ایسا مقرر بھی ہے جس کی آواز سامعین تک ہی نہیں پہنچتی بلکہ بیرونی دنیا تک پہنچتی ہے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہی آواز کشمیر کی وادی میں گونجے گی، سرحد کے پہاڑوں میں زلزلہ پیدا کرے گی۔ اور راوی کے کنارے وہ نعرہ تکبیر لگائے گی جس کی وجہ سے ایک اولوالعزم خواب حقیقت بن گیا۔

اس جلسہ میں رئیس حیدرآباد بھی موجود تھے جو جیکل اینڈ ہائیڈ کی شخصیت کا مرکب تھے۔ اس زمانے میں ان کا زبردست رعب کار فرما تھا۔ انھوں نے اس نوجوان کی تقریر سنی حقیقی داد دی اور ایک نوعمر صاحب جاگیر کو بہادر یار جنگ کے خطاب سے نوازا جو بعد میں بھی چل کر ہمارے بلال پر ایسا مرتسم ہوا کہ آج بھی انھیں بہادر یار جنگ بولتے ہیں۔ حالانکہ آج ان کا اصل نام بہادر خان ہے۔ اور انھوں نے خطاب واپس کر دیا تھا۔ اگر ہم اس برگزیدہ شخصیت کو بہادر خاں کہیں تو ہمارا ضمیر اسے ان کی شان میں گستاخی سمجھتا ہے۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس مقرر سے متعلق ایسی رائے قائم کی تھی جس پر آج ہنسی آتی ہے ہم نے سمجھا تھا کہ یہ نوجوان ابوالکلام آزاد کے مضامین رٹ کر بہت خوبصورت انداز میں پیش کر دیتا ہے۔ ہم غور کرتے ہیں تو ہم پر خود اپنی کمزوریوں اور خود نمائیوں کا راز کھل جاتا ہے۔

ایک مستقبل کا خطیب، مقرر اور متقی انسان آسانی سے پہچانا نہیں جا سکتا۔ خاص طور پر ان لوگوں میں جو بچپن سے اس کو دیکھ چکے ہیں۔ بیسویں صدی کے صرف پانچ سال گزرے تھے کہ اس کا سب سے بڑا اردو مقرر اور خطیب پیدا ہوا۔ ابتدائی تربیت ٹھاٹ باٹ سے ہوئی۔ میٹرک تک ان کی تعلیم ویسی ہی ہی جیسی کہ ایک وارث جاگیردار کی ہوتی ہے لیکن چونکہ پٹھان خاندان سے تھے اس لئے فن سپہ گری، ورزش اور کشتی کے فن کے ماہر بنائے گئے۔

ان کی اصلی زندگی شروع ہوتی ہے ان کے والد کے انتقال کے بعد جب کہ جاگیر کا بوجھ اس نوجوان پر پڑا۔ مذہبی زندگی کی طرف میلان شروع ہی سے تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھ میں جذبہ اسلامی اور جذبہ انسانی میری نانی نے پیدا کیا۔ بہادر خاں نے جاگیر کا انتظام سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کمال معاملہ فہمی سے جاگیر کے قرضوں کی ادائیگی کی اور اس کے بعد قومی کاموں کی طرف متوجہ ہوئے

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حیدرآباد میں سیاسی شعور کروٹ لے رہا تھا۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام نے حیدرآباد کے متوسط اور ادنیٰ درجہ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اور مدتوں سے دبے ہوئے مسلم طبقات میں حقوق کے حصول کا جذبہ پیدا کیا۔ ادھر کانگریس کی وجہ سے ریاست کے ہندوؤں میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ رئیس .... یعنی برطانوی ریذیڈنٹ روانیاں اپنے عروج پر تھیں۔ اس زمانے میں وہی شخص دنیوی حیثیت سے بڑھتا تھا جو ریذیڈنٹ تک [illegible] چیز [illegible] رکھتا تھا۔

حیدرآباد دوہری غلامی کا شکار تھا۔ برطانوی ہند پر انگریز راج تھا اور ریاستوں پر انگریزوں کے غلاموں کا۔ بہادر خاں نے دیکھا کہ ان کے حالات میں سیاست میں دخل دینا غلط ہے۔ ان کے سامنے اس وقت دو چیزیں ہی تھیں ایک تو اپنی شخصیت کو اسی حد تک ترقی دینا کہ لوگ ان کی رہنمائی کو قبول کریں۔ دوسری بیداری مسلمانوں کو بیدار کرنا۔

انھوں نے سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی کہ حیدرآباد میں ہندو مسلم مسئلہ کو حل کریں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ریاست میں مسلمانوں کی تعداد اگر برابر بھی ہو جائے تو آنے والی مشکلات کا سدباب ہو سکے گا۔ چنانچہ بہادر یار جنگ نے اپنی پوری صلاحیتیں تبلیغی کاموں میں صرف کرنا شروع کیں۔ اور تنہا اپنی کوششوں سے تیس ہزار غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ لیکن چونکہ کانگریس بیدار تھی۔ اس لئے اس کی طرف سے سخت احتجاج ہوا اس پر ریذیڈنٹ نے تبلیغی کام روک دیا جس انجمن اسلامیہ

اس مہم کا آغاز کیا تھا وہ سپہ سالاروں کی جماعت بن کر رہ گئی۔

۱۹۳۷ء میں نواب صاحب نے ممالکِ اسلامی کا دورہ کیا۔ یہاں نواب بہادر خاں نے اپنی خطابت کا کمال دکھایا۔ مصر میں نواب ممدوح نے عربی میں خطبہ دیا جس کی شہرت تمام عربی داں ممالک میں ہوئی اور عربوں نے کہنا شروع کیا کہ ایک عجمی عربی اس طرح بولتا ہے کہ خود اہلِ زبان رشک کرنے لگتے ہیں۔ اس دورے نے نواب صاحب کے ارادوں میں بڑی وسعت پیدا کی اور مشرقِ وسطیٰ کی گندی سیاست اور اخلاق ابتذال نے تو گہرا اثر چھوڑا۔

اس سفر سے واپسی پر انھوں نے اپنا اصلی کام کرنا شروع کیا۔ اسی زمانہ میں ایک چھوٹی سی انجمن محمود احمد خاں اور بہاؤالدین نے قائم کی۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو مذہب پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینا تھا۔ نواب صاحب نے اس انجمن کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش شروع کی ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک بہادر یار جنگ نے تمام ممالک محروسہ نظام کا دورہ کر کے اضلاع میں مجلس اتحاد المسلمین کی شاخیں کھول لیں۔ اور اس میں ایسی تنظیم پیدا کی کہ ہندوستان کی کوئی دوسری تحریک اس کا جواب پیش نہیں کر سکتی۔

۱۹۴۱ء سے بہادر یار جنگ نے حیدرآباد سے باہر کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور قائداعظم کے دست راست بن گئے۔ اور اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں کہ ان سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات بیان کروں۔ صرف اتنا عرض کروں گا کہ بہادر یار جنگ کی موت مسلمانانِ حیدرآباد کی نہیں مسلمانانِ ہند کی موت تھی۔ ٹیپو کا جانشین مشیرآباد کے دامن میں زیرِ خواب ہے۔

بزمِ اربابِ سخن کے طرحی مشاعرہ کی

غزل

از سید علی نظامی سیابی

زمانہ مجھ سے عجب طرح چال چلتا ہے — میں آشیاں جسے سمجھوں قفس نکلتا ہے
ہم ان کے تیرِ نظر کا شکار ہو کے رہے — قضا کے آگے بھلا کس کا زور چلتا ہے
بتانِ حور شمائل کی چاہ ٹھیک نہیں — یہ وہ مرض ہے کہ جو جان لے کے ٹلتا ہے
جو نامرادِ تمنا ہے شاد و خنداں ہے — جو کامرانِ تمنا ہے ہاتھ ملتا ہے
تمہاری دید سے تکلیفِ نزاع کم ہوگی — تم آؤ سامنے میرے کہ دم نکلتا ہے
زمانے بھر میں کہیں بھی اسے اماں نہ ملی — گرا جو تیری نظر سے کہیں سنبھلتا ہے
اِدھر سے گردشِ دوراں کا ہو گذر کیسے — جہاں کہ آٹھ پہر دورِ جام چلتا ہے
نہ جانے کونسا لمحہ ہو حادثہ بردوش — اس احتمال سے ہر لمحہ دل دہلتا ہے
ہمارے سینے سے اٹھتا ہے اس طرح دھواں — کہ جیسے شہر میں کوئی مکان جلتا ہے
بہار اس کو پسند اور خزاں بھی اس کو عزیز — جنونِ شوق نئی کروٹیں بدلتا ہے
یہ دستِ بردِ زمانہ ارے معاذ اللہ — جو اس سے ہاتھ ملاتا ہے ہاتھ ملتا ہے
وہ قدِ حشر خرام اور جمالِ شہر آشوب — ہزار دل کو سنبھالو کہاں سنبھلتا ہے
عجب بہار ہے یہ، یہ عجیب موسم ہے — کہ جس سے جان بھی جلتی ہے دل بھی جلتا ہے
کسی کے ہجر میں تاباں ہیں اور داغِ جگر — یہ باغ دورِ خزاں میں بھی خوب پھلتا ہے
یہ راز اہلِ زمانہ پہ منکشف نہ ہوا — مسرتوں سے نہیں غم سے دل بہلتا ہے

نظامی پیرویِ چشمِ ناز کرتا جا !
انہی خطوط پہ اب نظمِ دہر چلتا ہے

لسان الامت

نواب بہادر یار جنگ

سید مشتاق الحسینی جانباز زادہ

مسلم لیگ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے جانتے ہیں کہ زبانِ اردو کے ذریعہ لسان الامت نواب بہادر یار جنگ نے قائدِ اعظم کے فرمودات کو ان کے دل کی دھڑکنوں کے قریب رہ کر کس دلچسپی سے عوام تک پہنچایا تھا جس کے سبب سے قائدِ اعظم نے متاثر ہو کر ان کی نسبت ہزاروں کے مجمع میں یہاں تک فرما دیا تھا :

"بہادر یار جنگ کے بعد کسی اور کی تقریر سننا بے سود ہے"

مگر عوام اس سے ہنوز ناواقف ہیں کہ لسان الامت بہادر یار جنگ کیسے کہلائے گئے۔ یوں تو اس کی بڑی تفصیل ہے ، مگر

وقائع نگارانِ وقت کا اس پر یوں اتفاق ہے کہ مرزا اصغر انصاری جو کسی وقت سر سید کے حلقۂ تلامذہ میں سے تھے اپنے زمانۂ قیام لندن میں سلطان صلاح الدین ایوبی پر ایک بڑا ہی پُر مغز مقالہ تحریر کر کے دانشورانِ وقت سے خراجِ تحسین حاصل کیا تھا اور جب وہ حیدرآباد آئے تو ملتِ حیدرآباد کے بے چین مسلمانوں نے سیاست میں انہیں اپنا رہبر منزل بنا کر جہاں بھی جرأت کے ساتھ یوں اپنی

آوازِ حق کی تائید :

"انگریزوں کے معاہدات میں جکڑے ہوئے رہ کر رعیانِ آصفیہ اس پر غور نہیں کر رہے ہیں کہ کس طرح کانگریس کے بڑھتے ہوئے اثرات مملکت کی فضا کو مسموم کر رہے ہیں۔"

تو سنا کہ میر عثمان علی خان نے بحیثیت ولی العہد لیل اپنے احساسات کا اظہار فرمایا تھا :

"ہمارا دور آنے تک اگر یہی حالت

جاری رہی تو ہم کسی نہ کسی ... کو اپنا ہمرکاب بنا کر کانگریس جیسی فرقہ پرست تخریب کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

غرض کہ بات آئی گئی ہو رہ گئی تھی کہ جب اعلیٰ حضرت کے دوران دور امیران پائیگاہ کے زمرہ کے ایک فرزند دل ... نواب حسن الدین خان نامی جو علامہ اقبال دحالی کے شروع سے ہی شیدائی قرار دیئے جا چکے تھے ... رات دن کی محفلوں میں یوں اپنا خیال ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا کہ

"ہم امیران پائیگاہ کی حیثیت کیا

خلفا کے بعد جب سلاطین و امرا کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ آگئی تو وہ سارے اس بات کی کوشش میں لگے کہ ان کی عیش پرستی پر مذہبی گرفت کا سایہ نہ پڑنے پائے اور کہا تھا کہ:

یہی تو وہ منزل تھی جہاں کہ غفلت برتی گئی جس کے نتیجے میں آج ہمارا نوجوان کمیونزم کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔"

اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان شروع ہی سے ... تسلیم کرتے تھے وہ یہ چاہتے

واد ... اور صفحہ گاہ کی سرحد ... لوگوں نے دیکھا کہ نواب بہادر ... انہوں نے پہلی فرصت ہی ... ہونے کا حکم دے دیا۔ اس ... میں ... ہوئیں۔ نواب سے ... کی تعمیل میں حائل ... اور بہادر یار جنگ کا انقلاب ... وفاداری بھی اسی وقت اٹھا لیا گیا اور جب اس کے بعد مجلس اتحاد المسلمین ... قائد بہادر خان کی حیثیت بہادر یار جنگ واپس آئے تو لوگوں نے ان کا بڑی گرمجوشی سے ساتھ ... میں استقبال کیا۔ لوگ ایک دوسرے ... ہو گئے اور دراصل آپس میں ... ملنے لگے۔

اعلیٰ حضرت آصف سابع نے بہادر یار جنگ کو ان کا حقیقی مقام ... سیاسی ... کے مقابلے کے لئے ہمیں ... ملا گیا اب مملکت کی عمر میں اضافہ ہو جائے گا۔

مگر یہ بھی دیکھا گیا کہ آستین کے سانپ بے چینی کی حالت میں ... کے دروازے پر ... تھے جس کے نتیجے میں مملکت آصفیہ حیدرآباد اور یہ سینے کے مسلمانوں کا ... قائد ... کے قتل لینے کے ساتھ ہی دائمی ... جب ... آئے کہ قدم کر دل ... خدا بہادر یار جنگ کو اپنی ... میں جگہ دے اور قوم کے نوجوانوں کو ان لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ زمانہ قیامت کی چال چل چکا ہے اور مسلمانوں کے گرداب ... لے رہا ہے۔

پھر کہ نواب کی تقریر سننے کے لئے اپنی سادگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور ... مقدس محفل کا خیال رکھتے ہوئے جلسہ گاہ پہنچ کر فرش زمین پر ہی جا بیٹھے۔ نواب کی تقریر کا ہر جملہ گوشش ہو کر ایک ایک لفظ سنا

ان چھوٹی کشتیوں کے ملاحوں جیسی نہیں ہے جنہوں نے کڑا وقت آنے پر بڑے بڑے جہازوں کو تباہ ہونے سے بچا لیا تھا۔"

اور یوں بھی کہتے سنے گئے تھے۔

"کانگریس کی تحریکات دریشہ دوانیوں کا جائزہ لینا ضروری ہے تا کہ برا وقت آنے پر مسلمانوں کو بغلیں نہ جھانکنی پڑیں ... منہ ڈالنے پڑیں"

اس کے بعد دیکھا گیا کہ اعلیٰ حضرت آصف سابع نے حسن الدین خان کو نہ صرف اپنے رسمی خطاب حسن یار جنگ سے مخاطب کیا بلکہ ان کی تعلیم و تربیت میں بھی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی یوں بھی ہوا کہ ایک اور نوجوان از قوم پٹھان ... بہادر خان جاگیردار جن کے مورث اعلیٰ نے بھی بڑے ہی نازک ... میں یہ مملکت آصفیہ کے بنیادوں کو مضبوط کرنے میں سلاطین آصفیہ کی مدد کی تھی بڑے ہی دلبرانہ انداز میں خطاب کر جانے لگا تھا ... ہی کلام اقبال کا درس دیتے ہوئے ... منعقدہ میلاد النبی کے مقدس جلسوں کے پلیٹ فارموں پر نظر آ کر چھا جانے لگے گیا تھا۔

ہفتہ وار ... عوامی ...

نواب بہادر یار جنگ

ابراہیم جلیس

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر ارضِ ہند کی فضاؤں میں انگریز سامراج کے خلاف شیر دل ٹیپو کی تلوار نہ لہراتی، سراج الدولہ میدانِ جنگ میں نہ اترتا، میسور کے گمنام سپاہی نے اپنے انگریز کرنل کے سینے میں خنجر نہ مارا ہوتا، سر سید نے درس گاہِ علی گڑھ کی بنیاد نہ رکھی ہوتی، بی اماں نے محمد علی جوہر کو جنم نہ دیا ہوتا، سندھ کے شہید بچے قربانی ہوش محمد ہوشو شیدی نے سر چارلس نیپئر کے سامنے یہ نعرۂ مستانہ بلند نہ کیا ہوتا۔

"سر دیسوں پر سندھ نہ دیسوں"

پنجاب میں اقبال نغمہ سرا نہ ہوتا، بنگال میں شیرِ بنگال مولوی اے۔ کے فضل الحق کی چنگھاڑ نہ گونجتی، محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی قیادت نہ سنبھالی ہوتی اور بہادر یار جنگ کی گرجدار آواز گہری نیند میں سوئی ہوئی سرزمینِ ہمالیہ کو نہ جھنجھوڑ کر جگاتی تو شاید پاکستان بھی آج دنیا کے نقشے پر نظر نہ آتا۔ شاید سبز ہلالی پرچم بھی آج دنیا کی فضاؤں میں نہ لہراتا۔

ان محسنانِ ارضِ ہمالیہ میں صرف محمد علی جناح اور مولوی فضل الحق ہی وہ خوش نصیب تھے کہ انہوں نے اپنی جنگِ آزادی کی فتح اور اپنے خوابوں کی تعبیر پاکستان اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

لیکن سلطان ٹیپو، سراج الدولہ، سر سید احمد خان، ہوشو شیدی، محمد علی جوہر، اقبال اور بہادر یار جنگ وہ بے لوث اور بے نیاز محسن تھے جو خود تو دو گز کی نہایت مختصر زمین میں سمٹ گئے اور اپنے بعد آنے والے ۱۳ کروڑ مسلمانانِ ارضِ ہمالہ کے لئے ایک نیا اور قیامت تک کے لئے آباد اور آزاد وطن پاکستان چھوڑ گئے اور خود اسے ایک نظر بھی نہ دیکھا۔

★

میں نے بہادر یار جنگ کو سب سے پہلے ۱۹۴۱ء میں اس وقت دیکھا اور سنا جب میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی۔ اے کے پہلے سال کا طالب علم تھا۔ غالباً بہادر یار جنگ بھی پہلی بار علی گڑھ گئے تھے اور ان کے بارے میں یہ اعلان کیا گیا تھا

"وہ شام اسٹریچی ہال میں طالب علموں سے خطاب کریں گے۔"

اسٹریچی ہال میں تقریر کرنا بڑے دل گردے کی بات تھی۔ یہ وہی اسٹیج ہے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ جو مقرر علی گڑھ یونیورسٹی کے اسٹیج پر بول سکتا

ہے۔ وہ دنیا کے ہر اسٹیج پر بول سکتا ہے۔

ہم طلبا نواب بہادر یار جنگ سے واقف نہ تھے۔ ہم یہی سمجھتے تھے کہ ہوگا کوئی حیدرآباد دکن کا جاگیردار زادہ ـــــ اسے بھلا سیاست اور تقریر سے کیا کام ہے؟

طلبہ نے پروگرام بنایا کہ ہر مقرر کی طرح آج بہادر یار جنگ کی بھی خوب ہوٹنگ کی جائے۔

چنانچہ رات ساڑھے دس بجے جب بہادر یار جنگ تقریر کرنے اسٹریچی ہال کے اسٹیج پر نمودار ہوئے تو پروگرام کے مطابق ان پر اتنی ہوٹنگ شروع ہوئی کہ وہ اسٹیج پر کھڑے مسکراتے رہے، کچھ نہ بول سکے۔

اتنے میں اس وقت کے پرو وائس چانسلر پروفیسر اے۔ بی۔ اے حلیم جو پچھلے دنوں اسی کراچی میں ہم سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئے اسٹیج پر آئے اور یہ اعلان کیا۔

"میرے بچو! آپ نواب صاحب کو صرف دو منٹ دیں۔ اگر دو منٹ کے اندر نواب صاحب آپ پر چھا نہیں گئے تو پھر میں ان پر ہوٹنگ کرنے میں آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر ابا حلیم اپنی گھڑی دیکھنے لگے۔ طلبہ ابا حلیم کا بڑا احترام کرتے تھے اس لئے ان کے کہنے پر طلبہ نے نواب صاحب کو دو منٹ کی خاموشی دیدی۔ نواب صاحب نے اس دو منٹ کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر طلبہ پر اپنے سحرِ خطابت کا پہلا وار اس جملے سے کیا۔

"میرے نوجوان دوستو! جانتا ہوں کہ یہ اسٹریچی ہال ہے اور یہاں ہر بڑے سے بڑے مقرر کا امتحان لیا جاتا ہے لیکن میں ایک مردِ مسلماں ہوں جو بے امتحان کی زندگی کو موت سمجھتا ہے۔ آپ کے سامنے آیا ہوں اب آپ اپنا امتحان شروع کریں اور میں اپنی تقریر شروع کرتا ہوں۔"

پتہ نہیں اس ایک جملے میں یا نواب صاحب کی پُر عزم آواز میں کیا جادو تھا کہ طلبہ اچانک اپنی قوتِ گویائی کھو بیٹھے۔ وہ گم سُم پتھر کے بتوں کی طرح نواب صاحب کو سنتے رہے۔ نواب صاحب اس طرح بولتے رہے جیسے کوئی پہاڑی دریا تیز بہتا ہوا چلا آ رہا ہے۔

آدھی رات تک تو وہ اپنے منفرد طنز و مزاح سے سامعین کو ہنساتے رہے۔ لیکن اچانک آدھی رات کے وقت انہوں نے اعلان کیا۔

"اب ہنسی دل لگی ختم ـــــ اب رونا شروع

کیونکہ مسلمان نے جب سے مالِ غنیمت بھی چھوڑ دی ہے اس کی بدبختیاں بڑھتی ہی چلی جا رہی ہیں۔"

اس کے بعد نواب صاحب نے ایسی دردمندانہ تقریر شروع کی کہ کوئی دل ایسا نہ تھا جو بھر نہ آیا تھا۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی کہ ڈبڈبا نہ گئی تھی۔

جب بہادر یار جنگ بولتے تھے تو وقت بڑے دبے دبے پاؤں گزرتا رہتا تھا۔ اس لئے رات گیارہ بجے تقریر کرنے والے مقرر کو بھی رات کے گزرنے کا پتہ اسی وقت چلا جب مسجد سے فجر کی اذان گونجی۔ اللہ اکبر... اللہ اکبر۔ اور بہادر یار جنگ نے تقریر کا جملہ ادھورا چھوڑ کر نعرۂ مستانہ لگایا۔ ؎

تری آواز مکے اور مدینے۔

یہ کہہ کر اسٹیج سے اُتر وہ مسجد کی صف میں اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے سربسجود ہو گئے۔

نماز ختم ہوئی ـــــ طلبہ ان کے ارد گرد اس طرح جمع تھے جس طرح بچوں کی کہانیوں کے مشہور پائیڈ پائپر نے کسی گاؤں کے سارے چوہوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔

دوسرے دن دہلی میں نواب صاحب کی تقریر تھی۔ ریل کا ٹکٹ صرف نواب صاحب کے پاس تھا ـــــ اور باقی سارا علی گڑھ بغیر ٹکٹ کے ٹرین میں بیٹھ آیا تھا۔

دوسری شام سارا علی گڑھ دہلی کے آزاد میدان میں تھا۔ جہاں نواب صاحب اپنی گرما گرم تقریر کے شعلوں سے ہندوستانی باشندوں کی غلامی کی زنجیریں پگھلا رہے تھے۔

نواب صاحب کو بحیثیت ایک بے مثال مقرر کے کون نہیں جانتا البتہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ ان کی طبیعت میں حاضر جوابی، شائستہ مزاح اور شستہ ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ زاہد تو تھے مگر زاہدِ خشک نہ تھے۔

ان کی انگریزی تعلیم صرف میٹرک تک تھی۔ لیکن جب میدانِ سیاست میں داخل ہوئے تو ان کو انگریزی سیکھنا اس لئے لازم ہو گیا تھا کہ دشمن انگریزی کے سوا اور کوئی زبان سمجھتا ہی نہ تھا ـــــ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے انگریزی میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ ایک بار ایک جلسۂ عام میں بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو (جنہیں بہادر یار جنگ پیار سے ماں بھی کہا کرتے تھے) نے اردو میں تقریر کی تو بہادر یار جنگ مائیکروفون پر آئے اور اعلان کیا۔

"اگر مسز سروجنی اردو جیسی مشکل زبان میں تقریر کر سکتی ہیں تو بہادر خان انگریزی جیسی آسان زبان میں کیوں تقریر نہیں کر سکتا۔"

اور اس کے بعد انہوں نے انگریزی میں ایسی رواں اور شستہ تقریر کی کہ انگریزی کی بے مثال شاعرہ سروجنی نائیڈو حیرت سے انگشت بدنداں رہ گئیں۔

بہادر یار جنگ کی ظرافت کا ایک اور دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ تہران کے سفر میں نواب صاحب نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو روکا اور ایک مقام کا نام لے کر پوچھا۔

"وہاں تک کا کیا کرایہ لوگے؟"

ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"آپ کتنے آدمی ہیں؟"

بہادر یار جنگ تھے تو اکیلے لیکن بولے۔

"دو۔"

ٹیکسی ڈرائیور نے فی کس کرایہ بتایا تو نواب صاحب نے فرمایا۔ "کرایہ تو ایک ہی کا دوں گا مگر جائیں گے ہم دونوں۔"

ٹیکسی ڈرائیور الجھ پڑا۔ "ایک آدمی کے کرائے میں دو کو ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔"

جب ٹیکسی ڈرائیور غصے سے جانے لگا تو نواب صاحب نے اسے روکا اور بولے۔ "ارے بھائی میرے ساتھ تو میرا خدا ہے۔ کیا تم خدا کا بھی کرایہ لو گے۔"

بہادر یار جنگ کی خوش طبعی نے ایک بار اپنی مدح آپ بھی یوں کی تھی۔ ؎

آگاہ رموزِ دینِ فطرت ہوں میں
کچھ مجھ سے سنو لسان الامت ہوں میں
میں خطبہ سرا نہیں تو سونی ہے بزم
شہنشہِ اقلیمِ خطابت ہوں میں

نواب بہادر یار جنگ کی شوخیِ گفتار سے کہ جگر گداختہ اور لبِ معجز بیاں کے یوں تو ہزاروں قصیدے ہیں لیکن ان کے سوزِ نطق کے بارے میں میرے مرحوم ہم قلم دوست خواجہ معین الدین نے ایک ہی جملے میں جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے وہ سارے قصیدوں پر بھاری ہے۔ معین نے کہا تھا۔

"جب بھی بہادر یار جنگ کی آواز فضا میں گونجتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بے عمل مسلمانوں پر قرآنِ مجید اردو زبان میں نازل ہو رہا ہے۔"

☆☆

شخصیات

۸

نواب بہادر یار جنگ، سندھ اور پاکستان

۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے اجلاسِ کراچی میں جی ایم سید نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا اور بہادر یار جنگ نے مستقبل کے پاکستان کے خدوخال واضح کیے۔

وادیٔ سندھ کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ آوازِ حق کا غلغلہ جب بھی اس خطۂ زمین تک پہنچا، اس مٹی کے اسیروں نے اس پر لبیک کہنے میں دیر نہیں کی۔ محمد بن قاسم کے ورود سے پاکستان بننے تک اور پاکستان بننے سے وقتِ حاضر تک اسلامی احیاء کی جتنی تحریکیں چلیں، ان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں اس وادی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سندھ کو جہاں یہ اعزاز حاصل ہے کہ پورے برصغیر میں قیامِ پاکستان کی قرارداد سب سے پہلے سندھ اسمبلی ہی نے منظور کی، وہاں اس کے لیے یہ بات بھی باعثِ افتخار ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے پاکستان کو اس کے پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ اس کے پورے اور صحیح خدوخال میں اسی دھرتی پر دکھایا گیا اور یہ کام نواب بہادر یار جنگ کے ہاتھوں ہوا۔ میری مراد مسلم لیگ کے ۱۹۴۳ء کے سالانہ اجلاس سے ہے، جو کراچی میں منعقد ہوا۔

حیدر آباد کے ایک نواب خاندان میں پیدا ہونے والے محمد بہادر خان کو، جو بہادر یار جنگ کے تاریخی نام سے مشہور ہوئے، عہدِ اوائلِ عمری سے اسلام کی آفاقی تعلیمات سے شغف تھا، چنانچہ معاشرتی زندگی کا آغاز ہی انھوں نے تبلیغِ اسلام سے کیا۔ دینی جلسے اور میلاد کی محفلیں اس مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنیں۔ یہی وہ دور تھا، جب آریہ سماج اور شدھی سنگھٹن تحریکوں کے مسلح دستوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس مسلح جارحیت کے خلاف مزاحمت کا پرتو بہادر یار جنگ کو خاکسار تحریک میں نظر آیا، تو جھٹ اس میں شامل ہو گئے اور رضاکارانہ حیثیت سے بے نفسی اور اسلام دوستی کی روشن مثالیں قائم کیں۔ طبعِ حوصلہ مند نے اس کو بھی ناکافی پایا، تو مجلسِ اتحاد المسلمین قائم کرتے ہوئے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے کی سعی کی اور یوں انہوں نے مسلمانوں کو مذہبی، عسکری اور سیاسی غرض کہ ہر طور سے حریف کے مقابل کیا۔ ایک جملہ جوان کے قول میں اکثر پایا جاتا تھا کہ "میرا مقصدِ حیات ایک اور متعین ہے اور وہ ہے ملتِ اسلامیہ کی خدمت" اور اس مقصدِ حیات کو انہوں نے ساری زندگی پوری توانائیوں کے ساتھ نبھایا، اس راہ میں بڑے کٹھن

مرحلے آئے، عزیز و اقارب چھوٹے، مگر ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ ہوئی۔ یقیناً شاعر نے انہی جیسوں کے لیے کہا تھا کہ

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

چشمِ حقیقت نے جب یہ دیکھا کہ خاکسار تحریک نفعِ مسلم سے بیگانہ ہوتی جاتی ہے اور یہ سعادت مسلم لیگ کے حصے میں آ رہی ہے، تو خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی سے بے پناہ عقیدت کے باوجود وہ اس سے استعفیٰ

تحریر: محمد جاوید خان

دے دیا اور مسلم لیگ کے دامن میں آ گئے۔ اب ان کی عقیدت کا مرکز قائداعظم تھے اور وہ بھی محض اس لیے کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے بہترین مفاد کے لیے اپنے شب و روز صرف کیے ہوئے تھے۔

اپنے عمل سے، اپنی تحریروں سے، اپنی تقریروں سے اور اپنی خطابت کے جادو سے نواب صاحب نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ قائداعظم بے ساختہ کہہ اٹھے "مسلم لیگ کو بہادر یار جنگ کی شکل میں زبان مل گئی ہے۔" ان

آزادیٔ مسلم کی راہ میں برسوں کا سفر مہینوں میں اور مہینوں کا سفر دنوں میں طے ہونے لگا۔ سچ تو یہ ہے کہ مسلم لیگ میں آنے کے بعد نواب صاحب کا وہ رنگ جما کہ ہر کسی کا رنگ ماند پڑ گیا۔ سرحد میں سرحدی گاندھی کا زور انہوں نے توڑا۔ جنوب میں راس کماری تک مسلم لیگ کو روشناس کرانے والے یہی تھے اور لاہور کے قراردادِ پاکستان والے جلسے کی روحِ رواں بھی نواب بہادر یار جنگ ہی تھے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے مسلم لیگ کے عہدہ داروں اور عامۃ الناس میں ذہنی انقلاب پیدا کیا۔ مذہب کو معذرت کے خانے سے نکال کر اسے عقل و شعور کا ذریعہ بنایا اور قرآن فہمی و مطالعۂ سیرت کا ذوق لوگوں میں بھر دیا۔

مسلمان اپنی بناوٹ کے لحاظ سے سیاست، معیشت، معاشرت غرض کہ ہر شعبے میں اپنے بہترین نظریات رکھتے ہیں، جو مکمل اور جامع ہیں۔ اس انفرادی تشخص کو علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا کہ ؎

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اور اس خصوصیت کا عملی اظہار لاہور کے اس جلسے میں ہوا، جس میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی اور اسلام کے مقابلے میں لادینی نظریات کو رد کر دیا گیا۔ یہ نکتہ آغاز تھا جس میں اٹھائے گئے نکتہ کی تشریح و توضیح بکمال صراحت و وضاحت کراچی کے اس جلسۂ عام میں کی گئی، جس کا ذکر مضمون کے آغاز میں ہوا۔

جلسہ سے پہلے اہلِ سندھ نے جلوس کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ کیا انقلابِ زمانہ ہے کہ آج کے سندھ میں پاکستان و اسلام کے سب سے بڑے مخالف مسٹر جی ایم سید ان اسلامی رہنماؤں کے جلوس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے اور یوسف ہارون معتمد۔ نواب صدیق علی خاں اور حاجی [illegible] کے بطور قائداعظم کے ساتھ تھے۔ جلوس لیمارکیٹ سے ہوتا ہوا نیپیئر روڈ پر آیا اور پھر بندر روڈ سے سیدھے [illegible] کی طرف، جہاں جلسہ گاہ تھی اور "بابِ اسلام" کے نام سے ایک شاندار دروازہ بنایا گیا تھا۔ سڑکیں، گھروں کی چھتیں [illegible]

قائدِ اعظم نے کہا: "مسلم لیگ کو بہادر یار جنگ کی شکل میں زبان مل گئی ہے۔"

عمارتیں لوگوں سے کچھا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ پرچم کشائی کی رسم ادا کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے ارشاد فرمایا: "سندھ، پاکستان کا باب الداخلہ ہے اور کراچی اس کی کلید۔" جلسے کی کارروائی شروع ہوئی، تو تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد علامہ اقبالؒ کا مشہور ترانہ ترنم کے ساتھ پڑھا گیا، جس کا پہلا شعر ہے کہ ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

جی ایم سید نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا اور یہ خطبہ بھی جا بجا علامہ اقبالؒ کے اشعار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ بے پناہ ہجوم تھا۔ قائدِ اعظمؒ نے ایک گھنٹہ اور بیس منٹ تقریر کی، جس کے بعد نواب بہادر یار جنگ نے اس تقریر کا مطلب برجستہ اور بامحاورہ اردو زبان میں پیش کیا۔ رات آدھی سے زیادہ بھیگ چکی تھی، بلکہ آہِ سحر گاہی کا وقت شروع ہو گیا تھا، جب بہادر یار جنگ نے قائدِ اعظم سے مخاطب ہو کر کہا: "حصولِ پاکستان کے لیے آپ کی زندگی از بسکہ ضروری ہے۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے ہاتھ اٹھا دیے اور نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی: "الٰہی میری زندگی کے جتنے دن، مہینے اور برس باقی ہیں، وہ میرے بزرگ قائد کی عمر میں بڑھا دیے جائیں۔"

نواب بہادر یار جنگ کی اپنی تقریر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے آخری روز تھی۔ سندھ اور بیرونِ سندھ سے ہزاروں کی تعداد میں شرکاء آئے ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ آج کل سستے اور جذباتی نعرے لگا کر بھی اتنے افراد اکٹھے نہیں کر پاتے، جتنے ان اصولی سیاست کرنے والوں نے جمع کر لیے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب بہادر یار جنگ نے شب دس بجے تقریر کا آغاز کیا اور چار بجے صبح اختتامی کلمات ادا کیے۔ خود قائدِ اعظم نے کرسیٔ صدارت پر بیٹھے بیٹھے ساری رات گزار دی اور جنبش تک نہ کی۔ تقریر کیا تھی، تاثیر کا ایک دریا تھی، جس میں ہر شخص بہتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ بے خود تھے، دل تڑپ رہے تھے اور آنکھیں برس رہی تھیں۔

اس اہم تقریر کی روشنی میں نواب بہادر یار جنگ کی شخصیت اور پاکستان بنانے والوں کے آئیڈیل پاکستان کے خدوخال صاف صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کی تقریر کا لبِ لباب تین باتیں تھیں (ا) اسلامی دستورِ حیات۔ (ب) اسلامی تعلیم اور (ج) اسلامی معاشی نظام۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ قوموں کی اساس انہی چیزوں پر ہوتی ہے اور انہی پر اجتماعی ڈھانچہ کھڑا کیا جاتا ہے۔

دستورِ حیات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "سن لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر نہیں ہے وہ شیطانی سیاست ہے اور ہم ایسی سیاست سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔۔۔ میرے خیال میں پاکستان کے لئے ہر قسم کی سعی اور کوشش حرام ہے اگر پاکستان سے الٰہی اور قرآنی حکومت مراد نہیں ہے جس میں قانون سازی کا بنیادی حق صرف خدائے قدوس کو حاصل ہو۔ میں زندگی کے ہر گوشے اور حیات کے ہر پہلو کے لئے قرآنی نظام کو کافی اور شافی سمجھتا ہوں۔۔۔۔ میں مانتا ہوں کہ وقت اور حالات منزلِ مقصود تک پہنچنے کے راستے میں تغیرات پیدا کر سکتے ہیں لیکن اگر منزلِ مقصود قرآن کی بتلائی ہوئی نہیں تو پھر وہ پستی اور ذلت کی عمیق گہرائیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔"

تعلیم کے نظام کی اہمیت کو انہوں نے اس طرح اجاگر کیا: "ذہنی انقلاب کے پیدا کرنے کی ایک صورت تو یہی اجتماعات اور مجلسیں ہیں لیکن انقلاب کو وجود میں لانے کا مستقل اور بنیادی ذریعہ صحیح اور موثر تعلیمی نظام کی ترویج ہے۔"

معاشی نظام پر گفتگو کرتے ہوئے وہ اس طرح گویا ہوئے: "ہمارے پنڈال سے وہ لوگ اٹھ جائیں جو جلب منفعت اور سود پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ قرآن کے واضح اور اٹل احکامات میں تحریف و اضافہ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور چند ٹکڑے کے بدلے مسلمانوں کا ضمیر اور ان کا ایمان خرید لینا چاہتے ہیں۔" انہوں نے مسلم لیگ پلاننگ کمیٹی سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ ایسی تجاویز مرتب کرے جو پاکستان میں اسلامی دستورِ حیات، اسلامی نظامِ تعلیم اور اسلامی معاشی نظام کے رائج کرنے میں معاون ثابت ہوں۔

اس تقریر کا دلچسپ اور قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اس میں دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا کہ پاکستان اگر بہ التجا نہیں ملے گا تو ہم بزور حاصل کر لیں گے مگر اس حصول کی ضد (OPPOSIT) کو بھی انہوں نے ساتھ ساتھ استعمال کیا اور وہ اس طرح کہ مثالی پاکستان کی تشریح و توضیح کرنے کے بعد قائدِ اعظم سے بالکل ایک بے باکانہ انداز میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "قائدِ اعظم! میں نے پاکستان کو اس طرح سمجھا ہے اور اگر آپ کا پاکستان یہ نہیں ہے تو ہم ایسا پاکستان نہیں چاہتے۔" یہ سن کر قائدِ اعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "آپ مجھے قبل از وقت کیوں چیلنج دے رہے ہیں؟" تو نواب صاحب نے فرمایا: "نہیں قائدِ اعظم، میں چیلنج نہیں دے رہا ہوں، آپ کے عوام کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ آپ ایسا ہی پاکستان چاہتے ہیں۔"

بہادر یار جنگ کے وہ الفاظ بھی بڑے پُر اثر ہیں جو انہوں نے اس وقت کہے جب اپنی خدمات نہایت جذباتی انداز میں مسلم لیگ کی کونسل آف ایکشن کو پیش کیں اور سامعین نے بھی کیفیت کے اس سحر میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا۔ اس پر نواب صاحب نے کہا: "مسلمانو! وہ تصنیفیں جو جوش کے عالم میں یا دوسروں کی تقلید میں کر دیے جاتے ہیں، البادرفات آنی اور اس لئے فانی ہوتے ہیں۔ آج ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے جو شجرِ ملت پر پھول بن کر مہکنا چاہتے ہوں اور پھل بن کر کام و دہن کو شیریں کرنا چاہتے ہوں۔ ہمیں تو ان کی ضرورت ہے جو ایسی کھاد بن کر زمین میں جذب اور جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے تیار ہو جو مٹی اور پانی سے مل کر رنگین پھول پیدا کرتی ہو، جو خود فنا ہوتی ہو اور پھلوں میں لذت و شیرینی پیدا کرتی ہو۔ ہم کو ان کی ضرورت نہیں جو کاخ و ایوان کے نقش و نگار بن کر چشمِ نظارہ کو خیرہ کرنا چاہتے ہیں، بلکہ ہم کو ان بنیاد کے پتھروں کی ضرورت ہے جو ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن ہو کر مٹی کے نیچے دب کر استحکامِ عمارت کی ضمانت دے سکتے ہوں۔"

موضوع کی مناسبت سے یہاں اس خط کا ذکر بے جا نہ ہوگا جو انہوں نے ۱۸ اپریل ۱۹۴۴ء کو اپنے دوست مولانا محمد علی استاد شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کو لکھا جس میں تحریر کیا کہ۔۔۔ "میری منزل مسلمانوں کو منفرداً اور جماعتِ اسلامیہ کو مجتمعاً منہاجِ نبوت پر دیکھنا ہے۔ میرا عمل، میری مجلس کی قراردادیں اور میری تقاریر اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔ گو ہمتِ عالی کے نزدیک یہ منزل بھی ایک سنگِ میل ہے اور حقیقی منزل تاجِ خلافتِ الٰہیہ کا زیبِ سر کرنا اور فرشتوں کو اپنے سامنے سجدہ ریز دیکھنا ہو سکتا ہے۔۔۔۔" مسلم لیگ کے ۱۹۴۳ء کے آخری اجلاس کی آخری تقریر میں اس موضوع پر تفصیلی بحث رہی اور لیگ کے پلیٹ فارم سے اللہ نے میری زبان سے اعلان کروا دیا کہ پاکستان کا دستور الٰہی دستور اور وہاں کی حکومت قرآنی حکومت ہوگی اور سب سے بڑھ کر قابلِ مسرت یہ کہ جب میں دورانِ تقریر اس مقام پر پہنچا تو قائدِ اعظم نے زور سے اور بڑے جوش سے میز پر مکہ مار کر فرمایا "تم بالکل درست کہتے ہو۔" اور میں نے فوراً اعلان کر دیا کہ قائدِ اعظم سے میرے قول پر سندِ تصدیق مل گئی۔"

یہ ایک ہلکا سا خاکہ تھا، ارضِ پاکستان کے لئے تحریکوں اور کاوشوں کے ایک باب کا۔ آج جبکہ قدریں بہت بدل گئی ہیں، پاکستان کے قیام کی بھی من مانی تاویلات کی جاتی ہیں، تاریخ کے اوراق کھلے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں: ہمیں دیکھو، ہمیں پڑھو اور سامانِ عبرت لینے سے پہلے پہلے اپنے عزم کو راسخ کر کے اپنی راہوں کو استوار کر لو ورنہ زمانہ گواہ ہے کہ جو قوم اپنی تاریخ کو نظر انداز کر دیتی ہے، جغرافیہ اسے فراموش کرنے میں دیر نہیں کرتا۔

قائدِ ملّت بہادر یار جنگ

"ملّت اسلامیہ کے وہ بطلِ جلیل جو عہدِ غلامی میں نمودار ہوئے۔ لیکن انہی کے عہد سے آزادی کو نمود ہوئی"

سیّد شفقت مہدی

بہادر خاں (بہادر یار جنگ) برصغیر کی تاریخ ساز ہستی کا تعارف علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں "وہ ہر پہلو سے محبوب نظر آئے۔ اعداء کے لیے، بات کے دھنی، مخلص، خدا ترس، عاشق رسول، مجاہد اسلام بہادر پٹھان اور بہادر مسلمان..... چند سال کے اندر وہ کشمیر کی پہاڑیوں سے کر دکن کے کنارے تک پورے ہندوستان پر چھا گئے"۔ تقریر اور آزادی نے کھلا ہے "سراپا کردار مجسم اخلاق فقید المثال مقرر، کامیاب مصلح، اپنے وقت کے عظیم المرتبت خطیب اور ایک جری انسان تھے۔ ایک دور آج تک ان کے ہاتھ ان پہنچ ہی نہ سکا

بہادر یار جنگ ہمارے عہد غلامی میں نمودار ہوئے لیکن انہی سے عہد آزادی کی نمود ہوئی۔ انہوں نے کاروان قومی کو وہاں چھوڑا جہاں سے حریت و عمل کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں"۔

بہادر خان افغان قبیلے سوزئی کے ایک فرد تھے۔ ۳ فروری ۱۹۰۵ء کو بلدہ حیدرآباد محلہ بیگم بازار میں پیدا ہوئے۔ مہدوی اکابر علما علامہ سید اشرف شمسی اور علامہ محمد صادق الدین منصوری کے زیر تربیت رہ کر علوم دینیہ و علوم متداولہ سے مزین ہوئے۔ فن خطابت سلطان الواعظین مولانا سید مرتضیٰ صاحب سے سیکھا مولانا مناظر احسن گیلانی کے طرز خطابت سے استفادہ کیا۔ علامہ سلیمان ندوی کے خطابات سے تقریر کا مواد حاصل کیا اور خود اقلیم خطابت کے استاد ہو گئے۔

مسلم دنیا سے رابطہ قائم کرنے کے لئے حج بیت اللہ سے فراغت پاکر بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور برصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے میں اپنا وقت دولت اور آخر میں جان تک لگا دی۔ بالآخر یہ لسان الامت ۲۵ جون ۱۹۴۴ء کو جام شہادت نوش کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ بفرمان قرآن حکیم "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں مردہ مت کہو" بہادر خاں کا مشن ہمارا پیغام زندہ رہے گا اور زندگی بخشتا رہے گا۔

وہ قائداعظم کے پرستاروں میں ... انجمن اتحاد المسلمین حیدرآباد دکن کے ... صدر منتخب ہوتے رہے اور آل انڈیا ... مسلم لیگ کے بھی صدر رہے۔ ذیل میں ان ... خطبات اور مکتوبات سے چند اقتباسات ... کئے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے بہادر یار جنگ کا انداز فکر نمایاں ہوتا ہے۔

"اگر میرا ... قوم کا ... منہمک رہ کر قوم کو بیدار ... کا درس دیا ... حاصل ہے ... تو میرا ... شہادت ... اتفاق پیدا ... کا ... آسانی سے ہو سکتا ہے۔

قائد اعظم اور نواب بہادر یار جنگ ۔ املی ریلوے سٹیشن حیدرآباد پر

سار کیمپ حیدر آباد ۔ ۱۹۴۰ء)
ہ ۱۹۴۰ء کو کراچی میں مسلم لیگ کے
ین محمد بہادر خاں نے جو خطبہ دیا وہ بھی
ورثہ ہے۔ وہ ساں خطبہ قائد ملت بہادر
قائد اعظم محمد علی جناح کو مخاطب کرتے

ظم بس ۔ وہ دن میرے لئے عید کا دن
ت اسلامیہ کے راستے میں اپنے گرم
ور اپنے خون کا آخری قطرہ نچھاور
کر دوں گا ۔۔۔ جس دن میرے

کڑیاں اور میرے پاؤں میں بیڑیاں
جسم زخموں سے چور ہوگا اور میری
گا ۔

ستہ کس کہ در امید جاں باز ال
ن رسوائی سر بازار می رقصم

لت اسلامیہ کو ایسے افراد کی ضرورت نہیں
پھول بن کر مہکنا چاہتے ہوں اور
بن کر شیریں کرنا چاہتے ہوں ہم کو
ہے جو گماوں کر زمین میں جذب ہو کے
کی جڑوں کو مضبوط بنانے ہیں
کی جڑوں کو زینت اور پھولوں میں ان
رکی ہیں ۔۔۔ قائد اعظم ملت اسلامیہ اور

کی ایسے افراد کی ضرورت نہیں جو کاخ و ایوان کے
نقش و نگار بن کر نگاہ و نظارہ باز کو خیرہ کرنا چاہتے
ہیں ہم کو ان بنیاد کے پتھروں کی ضرورت ہے جو خود
کو فنا کر کے ہمیشہ ہمیشہ زمین میں دفن ہو کر اپنے
دوش پر ملت کی عمارت کی مضبوطی کی ضمانت قبول
کرتے ہیں ۔

(تقاریر و خطبات قائد ملت)

" ۔۔۔ دنیا کی موجودہ کشمکش سرتا سر معاشی ہے۔
جو جنگ آج لڑی جا رہی ہے اس کی تہہ میں صرف معاش
اور صرف معاشی مسائل کار فرما ہیں ۔ اسلام نے ثروت و
افلاس کے عمیق غاروں کو پاٹ دیا ۔ انسانوں کے خود ساختہ
چھوٹے بڑے گروہوں اور اونچ نیچ کی تقسیم کو ختم کر دیا
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک جنبش لب
لا الٰہ الا اللہ کے نعرے باطل کی تمام عمارات کو زمین
بوس کر دیا ۔ ہم بلال حبشی کو ہمدوش ابو بکر ؓ
عمار یاسر کو ہم رکاب عمر بن خطاب دیکھتے ہیں ۔۔۔
قانون وراثت نے دولت کے ارتکاز کو روک دیا اور
زکواۃ کے ذریعے اس دولت کو جبراً تقسیم کر دیا جو
کسی ذریعے سے اکٹھا کر لی گئی تھی ۔ قرآن نے
" الارض للہ " کہہ کر زمین کی ملکیت صرف خدا کے
اور اس کے خلیفہ یعنی اسلامی حکومت کے لئے مخصوص

فرما دی پھر کسی فرد کو یہ حق نہیں رہا کہ دولت کے ڈھیر
جمع کر سکے ..... " (تقاریر و خطبات قائد ملت)

" اگر آپ سننا چاہتے ہیں تو صاف صاف کہہ
دیتا ہوں کہ مجھے ہنگامی جوش والے قطعاً پسند نہیں
ہیں ۔ پہلی آواز پر بے سمجھے لبیک کہنے والوں پر
پوری طرح بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ جو جتنا
جلد آتے ہیں وہ اتنا ہی جلد سرد بھی پڑ جاتے ہیں
میرے پیش نظر یہ ہے کہ آپ لوگ بلانے پر آنا سیکھیں
پھر بیٹھنا ، چلانے پر چلنا ، کھڑا کرنے پر کھڑے رہنا
سیکھیں ۔ جس دن یہ مشق دیکھوں گا ۔ اس دن تم
سب کو اپنے ساتھ لے کر سب کے آگے خود رہ کر
مسلم حقوق کی حفاظت کے لئے جان و مال کی بازی
لگا دوں گا نہ میں پیچھے ہٹوں گا ۔ اور نہ آپ کو پیچھے
ہٹنے دوں گا ۔

(تقریر خاکسار کیمپ ۱۸ اگست ۱۹۴۰ء)

" ۔۔۔ اچھوت اقوام کے اس احساس پستی اور عزم
تبدیلی مذہب نے جہاں ایک طرف آزادی مساوات
رکھنے والے مذاہب کو ان کی طرف متوجہ کیا وہیں
ان کے ہزاروں برس کے نام نہاد آقاؤں کے دل میں
وحشت پیدا کر دی جو ان سے حیوانی درجہ کے قدیم
سرمایہ داروں کی طرح پیٹ بھر روٹی بھی دیئے بغیر
بیل اور گدھے سے زیادہ کام لیتے رہے تھے ۔ وہ بھی

ننگی پیٹھوں اور سکڑے ہوئے جسموں کے ساتھ
صبح سے شام تک ان کے کھیتوں میں جتے رہتے ان
ان کے جانوروں کی خدمت کرتے ان کے گھر کا
کوڑا کرکٹ اور غلاظت صاف کرتے ۔ ان کا اسباب
ڈھوتے اور اس ساری محنت کے بدلے جوتیاں
کھاتے ، گالیاں سنتے ، ننگے جسم پر پیٹتے اور شام
کو اس طرح اپنے گھر لوٹتے کہ ان کی گود میں پیٹ کی
دوزخ بھرنے کے برابر بھی دو مٹھی اناج نہ
پہنچتا ۔ کچھ ڈھنگ کا جواب کہ صدیوں غلاموں
کی بے بسی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دنیا میں
ان کے برابر انسان ہونے کی دعویدار بن بیٹھی ہے
اور انہوں نے عزم کر لیا ہے کہ ان کو اپنے اچھوت
جاتے رہنا جائے کہ جو ان کے لئے وہی
مصیبتیں پھر ان کو اٹھانی پڑیں ....

(تقریر نواب بہادر یار جنگ ۲۸ مئی ۱۹۴۳ء آل انڈیا
تبلیغ اسلام کانفرنس بمبئی)

" اقوام و ملل کی کھیتیاں پانی سے نہیں خون
سے سینچی جاتی ہیں ، بڑے خون سے نہیں جوان
اور تازہ خون سے ۔ افسوس ہے ان کی زندگی پر
جن کا خون ان کے اپنے جسم ہی میں خشک ہو جائے اور
ملک و ملت کے کام نہ آئے ۔

باقی ص ۲۶ پر

رسالہ جمہوریت

****

بقیہ مضمون مکاتیب۔

****

اللہ تعالیٰ جمہوریت کی چار دیواری کے اندر نہیں، آفاق کے ذرہ ذرہ میں۔ بیکسوں کی آہ وبکاہ میں۔ بے وسیلوں کے نالہ وشیون میں۔ مظلوموں کی کراہ میں۔ داد خواہوں کی تڑپ میں اور اس کے راستے میں رسوائیوں اور ذلت میں ملے گا۔ باہر نکلو اور دیکھو کہ اشرف المخلوق انسان۔ حامل بار امانت انسان۔ خلیفۃ اللہ [redacted] انسان کس طرح ذلیل وخوار ہو رہا ہے۔ اس کی سربلندی کا سامان کرو یہی اصل عبادت ہے اور یہی اصل دین ہے۔

****

ماہنامہ اظہار، کراچی
جون ۱۹۸۳ء ماہنامہ

کریم بخش خالد

نواب بہادر یار جنگؒ اور سندھ

گرے کے مرثیے (GRAY'S ELEGY) کے یہ الفاظ قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ کی شخصیت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں کہ گلستاں میں ہر صبح و شام نئے رنگین اور معطر پھول کھلتے اور مرجھاتے رہتے ہیں۔ ہزاروں کلیاں چٹکتی ہیں اور چند دن بہار جانفزا دکھلا کر خس و خاشاک ہو جاتی ہیں۔ نہ باغبانوں کو ان کے کھلنے کا علم ہوتا ہے، نہ گلچیں کو اس کی پرواہ۔ اسی طرح سمندروں کی تہوں میں ایسے تابناک موتی پوشیدہ ہوتے ہیں جو اگر ساحلِ سمندر پر آئیں تو انکی ضیاپاشیوں سے اندھیرے پاش پاش ہو جائیں اور چار سو روشنی جگمگا اٹھے۔

جنوبی ہندوستان سے ایک ایسا ہی حیات افزا اور روح پرور پھول کھل اٹھا، جس کی خوشبو سے نہ صرف ہندوستان کا گوشہ گوشہ مہک اٹھا بلکہ عالمِ اسلام میں بھی اس کی رعنائی اور دلسوزی کا سکہ بیٹھ گیا۔ نواب بہادر یار جنگ نے اپنی مختصر حیات میں اسلام اور اسلامیانِ ہند کی ایسی دینی، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی خدمات انجام دیں جو کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی قدآور قومی شخصیت کے حوالہ سے میرا موضوعِ تحریر چھوٹا سا معلوم ہو رہا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ میں قائدِ ملت کی بلند و بالا شخصیت کو جغرافیائی حدود کے تناظر میں پیش کر کے اپنی عصبیت کو آشکار کر رہا ہوں مگر یہ امر واضح ہے کہ انسانیت کے افق پر ایک اجتماعی وحدت ہے اور اس وحدت میں افراد کی کثرت مضمر ہے۔ ہر فرد بحیثیت انسان دوسرے انسان کی مانند ہے لیکن بطور ایک اکائی کے وہ دوسری اکائیوں سے ریاضی کے اعداد کی طرح مماثلتِ کُل نہیں رکھتا بلکہ اسکی ذات میں ایسے ممکنات مضمر ہیں جو ہو سکتا ہے کہ کروڑوں دیگر افراد میں سے کسی میں بھی بعینہٖ اس نہج سے واقع نہ ہوں اسی طرح کیا حقیقت نہیں کہ جزو کی حیثیت تسلیم کئے بغیر 'کُل' کا تصور مکمل اور واضح نہیں ہو سکتا۔ مسلم ہند کی تاریخ میں بہت سے زاویوں سے سندھ کو ایک اہم مقام حاصل رہا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس خطہ کی پوری تاریخ کو ہنوز مدون نہیں کیا جا سکا ہے۔ یہ ناقابلِ معافی غفلت ایک قومی سانحہ ہے جس کا ازالہ کرنا ہم سب کا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی کے ضمن میں، میں چند چیزیں رقم کر رہا ہوں حالانکہ مجھے احساس ہے کہ اس موضوع سے میں انصاف نہیں کر سکا ہوں۔

سندھ اور جنوبی ہند کے مابین قدیم زمانہ سے تجارتی روابط تھے۔ سندھ کے عظیم صوفی دانشور شاہ لطیف بھٹائی کی ابیات میں مفصل طور سے یہ مذکور آتا ہے کہ سندھ کے ملاح بحری بیڑوں میں سامانِ تجارت لے کر موجودہ انڈونیشیا، جاوا، سماترا اور ملائشیا تک جاتے تھے اور راستہ میں جنوبی ہند کے ساحل اور سری لنکا سے ان کا گذر ہوتا تھا۔ یہ بیان "سرِ سامونڈی" اور "سرِ سارنگ" میں آتا ہے۔ لیکن "سُرسارنگ" میں 'دکن' کا نام واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس سر میں بارش کا ذکر ہے کہ ربِّ رحیم کس طرح مختلف علاقوں کو بارانِ رحمت سے نوازا کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے شارحین نے ان ابیات میں ذکرِ فضلِ ربی، کرم کریم اور عنایتِ الٰہی کو رسولِ کریم کی ولادت کی علامت قرار دے کر آپ کی رشد و ہدایت کی تشہیر اور توسیع کا مطلب نکالا ہے۔

شاہ صاحب نے برق و باراں کے ہر سُو کڑکنے اور برسنے کا ذکر کرتے ہوئے استنبول، مغرب، چین، سمرقند، روم، کابل اور قندھار کا ذکر کیا اور فرمایا ہے

کِے دہلی، کِے دکن، کِے گرگِ گرجے گرنار

اور پھر جیسلمیر، بیکانیر، عمرکوٹ اور دیگر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے

سائیں سدا ئیں! کریں متھے سندھ سُکار
دوست مِٹھا دلدار! عالم ... آباد کریں

شاہ لطیف سے ۲۰۸ برس پہلے سید محمد جونپوری سنہ ۱۵۰۱ء میں گجرات (بھارت) سے نصرپور (سندھ) میں وارد ہوئے تھے سید صاحب اور ان کے عقیدتمندوں کے بارے میں مولانا ابوالکلام رقمطراز ہیں کہ "وہ ان پرملا اعلیٰ کے فرشتوں کا گمان کررہی تھی جو اس دنیا کی پاکی و اصلاح کے لئے آسمانوں سے اُتر پڑے ہوں۔ فقیر سے لے کر بادشاہ تک، زندگی کے ہر شعبہ میں انہوں نے کمال پیدا کیا اور کسی کے لئے یہ کہدیا کہ وہ مہدوی ہے اس کے شرف وکمال کی ضمانت تصور کیا گیا ہے۔" یہ جام نظام الدین سمتہ کا عہدِ حکومت تھا۔ گو ہندوستان میں سید صاحب کی سخت مخالفت ہوئی تھی اور علماء سُوء کی مخاصمت کی وجہ سے انہیں ہندوستان چھوڑنا پڑا لیکن سندھ میں حاکمِ وقت نے ان کی پذیرائی کی اور اس کا وزیرِ اعظم اور سپہ سالار دریا خان بھی ان کے معتقدوں میں شامل ہوگیا۔ کلہوڑوں کے جدِ امجد میاں آدم شاہ اور بکھر کے ابوبکر جتوئی کا تو ان کے خلفاء میں شمار ہوتا تھا۔ بہر حال یہاں بھی علماء کی مخالفت اور بعض سجادہ نشینوں کے اثر کی وجہ سے جام نظام الدین نے سید صاحب کو سندھ چھوڑنے پر مجبور کردیا اور انہیں براستہ کوئٹہ، قندھار افغانستان جانا پڑا اور وہیں فراہ کے مقام پر ان کی آخری آرامگاہ ہے۔

سید محمد جونپوری کے جانے کے بعد بھی ارغون اور ترخان حکمرانوں کے دور میں ان کے

حاجی عبداللہ ہارون
(۱۸۷۲ء - ۱۹۴۲ء)

بعض رشتہ دار اور خلفاء کا سندھ میں اثر رسوخ رہا اور ان میں سے قاضی قادن، ٹھٹھہ اور بکھر کے قاضی تھے اور سندھی عارفانہ شاعری کے اولین نقیب بھی۔ اس مسلک کے آخری شہید صوفی شاہ عنایت تھے جن کا مزار جھوک شریف میں آج بھی مرجعِ خاص وعام ہے اور جن کا عرس ماہ صفر کی ۱۲ تاریخ کو ہوتا ہے یعنی شاہ لطیف بھٹائی کے عرس سے ایک ہفتہ بعد۔ شاہ صاحب نے سرود "رام کلی" اور "کھاہوڑی" میں جن فقراء کا ذکر کیا ہے، ان کی سب خصوصیات اور خوبیاں گروہ مہدویہ میں پائی جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں سلطان ٹیپو شہید کے عہد میں بہت سے سندھی قبائل فرنگیوں اور ان کے حلیف دیسی حاکموں کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کے لئے گئے تھے اور جنوبی ہند میں ان کی اولاد آج بھی مقیم ہے۔

نواب بہادر یار جنگ نہایت ذہین اور صاحبِ ادراک تھے۔ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع تھا یہ تاریخی حقائق ان کے پیشِ نظر تھے اور اس وجہ سے ان کی تمنا تھی کہ وہ برصغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح سندھ کے مسلمانوں کی بھی اسی طرح خدمت کریں۔

مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں اور کانگریس کے اثر کو زائل کرنے کی خاطر، جیکب آباد میں مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔ اس سلسلہ میں صوبائی لیگ کی طرف سے نواب بہادر یار جنگ کو دعوت دی گئی لیکن انہوں نے بصد حسرت معذوری کا اظہار کیا کیونکہ وہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق میسور اور ملبار کے مسلمانوں سے وعدہ کرچکے تھے اور وعدہ شکنی ان کے مزاج میں نہیں تھی چنانچہ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۱ء کو جناب یوسف ہارون کو لکھا کہ "ہندوستان کا کوئی صوبہ اگر ایسا ہے جہاں کے مسلمانوں کی خدمت کا شرف میں نے اب تک حاصل نہیں کیا تو وہ سندھ ہے، گو بلوچستان جاتے ہوئے سکھر اور جیکب آباد سے گزرا لیکن سیری نہیں ہوئی۔ میری خود تمنا ہے کہ سندھ آؤں۔"

اس خط سے آپ جو بھی مطلب نکالیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ سندھ کا ہر ذی شعور باشندہ بہادر یار جنگ کے جذبات اور انکی خدمات سے آگاہ تھا، ان سے متاثر تھا۔ اور ان کا معترف تھا۔ اور اس خط کا آخری جملہ تو بہت اہمیت کا حامل ہے اور ان کی قلبی کیفیت کی غمازی کرتا ہے۔

بہادر یار جنگ ان مسلم زعماء میں سے تھے جنہوں نے برصغیر کی آزادی اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جدوجہد میں بھرپور کردار ادا کیا۔ نازونعم میں پلے ہوئے یہ درانی پٹھان اپنی فطرت سے مجبور غلامی کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کر سکتے تھے۔ جس انداز سے ان کی ابتدائی تعلیم ہوئی اور جس ماحول میں انہوں نے شعوری طور پر معاشرہ کا مشاہدہ کیا اس کا یہی تقاضا تھا کہ ان کی طبع میں جولانی ہو۔ مذہبی طور پر وہ ایک ایسے مسلک سے تعلق رکھتے تھے جو ریاکاری اور منافقت کو نہ صرف ناپسند کرتے تھے بلکہ "مساواتِ محمدی" کی تعلیم کو فکری اور عملی طور پر نافذ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ بہادر یار جنگ کی عملی زندگی کے تجزیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حیدرآباد دکن کے مسلمانوں کی حالت زار کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں مسیحا کا کردار ادا کیا اور برطانوی ہند کے مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو بیدار کیا۔ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے پرجوش جدوجہد کی۔

جب تحریکِ آزادیٔ ہند کے دوران مسلمانوں نے اپنے لئے علیحدہ وطن کے قیام کے موقف کا اعلان کیا اور قائدِاعظم کی پرجوش اور پرخلوص رہنمائی میں کاروانِ ملت آگے بڑھا تو قائدِ ملت نواب بہادر جنگ نے اس تحریک میں روح پھونکی اور قائدِاعظم کے معتمد اور تابعدار ساتھی کی حیثیت سے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور جہاں جہاں مسلم لیگ کے بڑے پیمانے پر اجتماعات

سر غلام حسین ہدایت اللہ۔
(۱۸۷۸-۱۹۴۸ء)

ہوتے وہاں بہادر یار جنگ اپنی خطابت کا جادو جگا کر مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کی تحریک کو مقبول بناتے رہے۔ انہیں علوم شرقیہ پر تو عبور حاصل تھا لیکن انگریزی کے سلسلے میں ان پر قائداعظم کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ وہی ہمیشہ قائد کی تقاریر کا فی البدیہہ اردو ترجمہ کر کے ان کی ترجمانی کا فرض ادا کرتے تھے۔

کانگریس اور مسلم لیگ نے اپنے آغاز ہی سے ہندوستانی ریاستوں میں اپنی شاخیں قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بہرحال ۱۹۳۵ء کی آئینی اصلاحات کے بعد ۱۹۳۷ء میں عام انتخابات ہوئے تو کانگریس نے ریاستوں میں اسٹیٹس پیپلز کانگریس کے نام سے ایک متوازی تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن مسلم لیگ نے فوری طور پر اس طرف توجہ نہ دی کیونکہ ریاستوں میں برطانوی ہند کی سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں پر قانوناً پابندی تھی۔ بہرحال ۱۹۳۹ء میں دیسی ریاستوں کے مسلم قائدین نے ایک اجلاس منعقد کیا جس میں مختلف تجاویز منظور کی گئیں۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہوا جس میں اسٹیٹس مسلم لیگ کے قیام کا باضابطہ فیصلہ کیا گیا۔ نواب بہادر یار جنگ اس کے صدر اور بھوپال کے محمود الحسن جنرل سیکریٹری منتخب کئے گئے۔ عبدالصمد راجستھانی، غلام عباس (کشمیر) اور منظور عالم (گوالیار) مجلس عاملہ کے رکن چنے گئے۔ اس کا اثر سندھ میں بھی ہوا۔ ریاست خیرپور میرس میں سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ خان بہادر محمد ایوب کھوڑو، شیخ بہاؤالدین وکیل جناب عبدالرحیم کرل اور دوسرے رہنماؤں نے سرگرم کردار ادا کیا۔

تحریکِ آزادی کے سلسلے میں نواب صاحب کئی بار کراچی آئے اور کراچی سے وہ موجودہ پاکستان کے مختلف مقامات کو گئے اور مسلم لیگ کی بہت سی اہم کانفرنسوں میں انہوں نے شرکت کی۔ لیکن سندھ کی قدیم اسلامی روایات کے پس منظر میں ان کا ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کا خطبہ کراچی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جس کے مندرجہ ذیل اقتباسات نہ فقط تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ پیش منظر کے طور پر پاکستان میں نظامِ حکومت اور معاشرت کے بنیادی اصولوں کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

سندھ سے اس طرح کی صدائے الست بلند ہونا، اس مٹی کے خمیر کی خصوصیت رہی ہے۔ یہ صوبہ 'باب الاسلام' ہے اور کراچی کو

قائداعظم نے پاکستان کی کنجی (کلید) کہا تھا۔ یہیں اکتوبر ۱۹۳۸ء میں صوبائی مسلم لیگ کے اجلاس میں قائداعظم کی زیرِ صدارت ایک قرارداد کے ذریعے ہندی مسلمانوں کیلئے علیحدہ وطن کا ایسا مطالبہ کیا گیا تھا جس کی بازگشت ہمیں مارچ ۱۹۴۰ء کی "قراردادِ لاہور" میں ملتی ہے۔ اور یہیں سندھ صوبائی اسمبلی نے مارچ ۱۹۴۳ء میں پاکستان کے قیام کی قرارداد منظور کی اور سارے برطانوی ہندوستان میں سندھ ہی پہلا صوبہ تھا جس کی اسمبلی نے پاکستان سے الحاق کی قرارداد منظور کی۔

بہادر یار جنگ مرحوم کی اس تاریخی تقریر کے اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:۔

پاکستان کا دستوری نظام

"حضرات! پاکستان کا حاصل کر لینا اتنا مشکل نہیں، جتنا پاکستان کو پاکستان بنانا اور قائم رکھنا مشکل ہے۔ آپ کے قائد نے ایک سے زائد مرتبہ اس کا اعادہ فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی حکومتوں میں کسی دستور اور قانون کو خود مرتب کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ ان کا دستور مرتب و متعین ان کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔ کتنی صحیح نظر اور کتنا صحیح فیصلہ ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہم پاکستان صرف اس لئے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے لئے ایک ایسی جگہ حاصل کر لیں جہاں وہ شیطان کے آلۂ کار بن کر ان ہی دساتیرِ کافرانہ پر عمل کریں جس پر آج ساری دنیا کاربند ہے، اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو کم از کم میں ایسے پاکستان

الحاج محمد ہاشم گزدر
(۱۸۹۳ء — ۱۹۶۸ء)

کا حامی نہیں ہوں، اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ وہاں قرآنی نظامِ حکومت قائم ہو۔ یہ ایک انقلاب ہوگا، یہ ایک نشاۃ ثانیہ ہوگی، یہ ایک حیاتِ نو ہوگی جس میں خوابیدہ تصوراتِ اسلامی ایک مرتبہ پھر جاگیں گے اور حیاتِ اسلامی ایک مرتبہ پھر کروٹ لے گی۔ پلاننگ کمیٹی آپ کے لئے جو دستوری اور سیاسی نظام مرتب کرے گی اس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ پر ہوگی، سن لیجئے اور آگاہ ہو جایئے کہ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر نہیں ہے وہ شیطانی سیاست ہے اور ہم ایسی سیاست سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔"

پاکستان کا تعلیمی نظام

"دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی انقلاب عملی صورت نہیں اختیار کر سکتا جب تک پہلے ذہنی حیثیت سے مکمل نہ ہو جائے، تاریخِ عالم گواہی دیتی ہے کہ ہر انقلاب کو عملی صورت اختیار کرنے سے پہلے ذہنی انقلاب سے گزرنا پڑتا ہے۔

"ہندوستان کی سب سے بڑی بدبختی یہی تھی کہ یہاں کا تعلیمی نظام اس قوم نے مرتب کیا جو نہ صرف ہندوستان کی سرزمین اور اس کے معاشی ذرائع پر قابض ہونا چاہتی تھی بلکہ اس کی ذہن و فکر پر بھی اپنا قبضہ جمانا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لئے اس نے ہماری تاریخ کو اس انداز سے ہمارے سامنے پیش کیا کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے بنکر رہ گئے۔ جس نے ہم میں خود فراموشی کو بڑھایا اور خود اعتمادی کو گھٹایا، جس نے ہماری مشرقی خصوصیات کو فنا کیا اور ہمیں غیر کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا۔ ضرورت ہے کہ مستقبل کے لائحہ عمل میں سب سے پہلا مقام تعلیمی نظام کو دیا جائے۔ ایسا تعلیمی نظام جس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ پر ہو۔ جس نظامِ تعلیم سے گزرنے کے بعد مسلمان کا بچہ بچہ اسلامی نظام میں نشو و نما پائے تاکہ وہ اپنی عملی زندگی میں ملتِ اسلامیہ کی صحیح خدمت انجام دے سکے۔ میں اعلیٰ تعلیم کے مقابلے میں ابتدائی تعلیم کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ ابتدائی تعلیم بنیاد ہے جس کی مضبوطی پر عمارت کے استحکام کا انحصار ہے۔ ...... یاد رکھو قوم کی بے عملی صرف اخلاقی پستی ہی پیدا نہیں کرتی بلکہ اس قوم کی سیاسی غلامی کا سب سے بڑا سبب ہوتی ہے۔"

معاشیاتی نظام

"اسلام کا آفتاب دنیا کے افق پر اس وقت طلوع ہوا جبکہ دنیا کے ایک طرف سیم و زر کے

فلک بوس پہاڑ تھے اور اس کی دوسری طرف نکبت افلاس کے عمیق غار نظر آرہے تھے نام نہاد پیشواؤں نے مذہب کو آلۂ کار بنا کر بنی نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور خود ساختہ اصول کے تحت اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز قائم کر رکھا تھا۔ شہنشاہیت اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ محمد رسول اللہ نے بہ یک جنبشِ لب لا الہ الا اللہ کہہ کر عظمت و جلالِ حق سے باطل کی ساری عمارتوں کو مسمار کر دیا اور تبلیغ و توحید سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان غاروں کو بھرا جو افلاس و نکبت نے پیدا کر دیئے تھے۔ اور انسانیت کی سطح ایک کر دی تھی۔ محمد عربی کی محفل میں ہم بلال حبشیؓ کو ہم دوشِ ابوبکرؓ اور عمارؓ یاسر کو ہم نشینِ ابن خطابؓ دیکھتے ہیں۔ امتناعِ سود سے سرمایہ داری کی جڑیں کٹ گئیں، وراثت کے قانون نے دولت کے جمع ہونے کے راستے روک دیئے۔ زکوٰۃ نے اس دولت کو جو کسی نہ کسی طرح ان موانع کی موجودگی میں جمع ہوتی جبراً تقسیم کر دیا اور ارتکازِ دولت یا جمعِ مال کی مذمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین نے مدینہ میں عہدِ رسالت کے آخری ایام کو مسکین کے وجود سے خالی کر دیا۔ الارض للہ کا قرآنی پیغام سُنا کر نبی اُمّی نے زمین کی ملکیت صرف خدا اور اس کے خلیفہ یعنی اسلامی اسٹیٹ کے لئے مخصوص کر دی۔ نہریں، جنگل، معدنیات وغیرہ یہ سب اسٹیٹ کی مشترک

سید غلام مرتضیٰ

(ولادت: ۷ جنوری ۱۹۰۴ء)

ملک قرار پائے اور کسی فردِ واحد کو یہ حق نہ رہا کہ ان کے ذریعے دولت کے ڈھیر جمع کرے۔ زکوٰۃ کے تعلق سے اجمالاً و اشارتاً یہ بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اسلامی ٹیکس آمدنی پر وصول نہیں کیا جاتا بلکہ سرمایہ پر وصول کیا جاتا ہے اور ان سارے ٹیکسوں سے بڑھ جاتا ہے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد انسانیت نے اپنی ترقی یافتہ ضرورتوں کے مدِ نظر وضع کئے ہیں۔ کیا اس نظام کی موجودگی میں کسی اور معاشی نظام کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت ہے؟"

نشاۃ ثانیہ

برادرانِ ملت! یاد رکھیئے۔ "وہ قوم جو تعلیمی اور معاشی حیثیت سے آزاد نہ ہو سیاسی حیثیت سے کبھی آزاد نہیں ہو سکتی، تعلیمی اور معاشی غلامی کے ساتھ سیاسی آزادی غلامی کی بدترین قسم ہے۔ پاکستان کا مطالبہ کر کے اگر آپ ایسا ملک چاہتے ہیں جس میں پاک لوگ بستے ہوں اور جو خیالات کے اعتبار سے افکار و اعمال اور کردار کے لحاظ سے پاک ہوں تو میرے دوستو یاد رکھو کہ جسمانی ناپاکی دُور ہو سکتی ہے اور ناسالی سے دُور ہو سکتی ہے لیکن ذہن و فکر اور قول و عمل کی ناپاکی وہ گندگی ہے جس کو دُور کرنے کے لئے خدا نے انبیاء جیسی ہستیاں پیدا کی ہیں۔ وہ اسی وقت دور ہو سکتی ہے جب نبی کی اتباع کی جائے۔ کیا ان ناپاکیوں میں آلودہ ہو کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر، مکر و فریب میں مبتلا رہ کر، ظلم و استبداد کو جاری رکھ کر ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں اور اگر ہم ان گندگیوں سے پاک نہ ہوئے اور ہمیں ہندوستان کے دونوں گوشوں میں خود مختار حکومت مل بھی گئی تو کیا وہ پاکستان کہلانے کی مستحق ہوگی؟

"پاک بننے کی اس کوشش کو آج سے شروع کر دو اور یاد رکھو کہ نہ صرف پاکستان میں رہنے کے لئے پاک بننے کی ضرورت ہے بلکہ پاکستان کے حصول کے لئے بھی پاک بننے کی ضرورت ہے۔ مکر و فریب کی سیاست طالبانِ پاکستان کی سیاست نہیں ہو سکتی۔"

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے، ازل سے قلندروں کا طریق

یہ مسلم لیگ کا آخری جلسۂ عام تھا، اور نواب صاحب کی اس میں یہ آخری تقریر تھی۔ اجلاس کراچی کے بعد کل ہند مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی (مجلسِ عاملہ) اور کونسل (شوریٰ) کے جلسے اور کنونشن تو ہوتے رہے، لیکن عام اجلاس کبھی نہیں ہوا۔ یہ تقریر قائدِ ملت

کی سوچ، محسوسات اور عمل کی سہ آتشہ خطابت، زبان کی صداقت اور فکری صوتِ نظر کا شاہکار سنگم تھی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس تقریر کو سندھ کے مسلمانوں نے اپنا سیاسی منشور بنایا۔ دینی جذبہ سے وہ پہلے ہی سرشار تھے اور اب سیاسی طور پر بھی بیدار ہو کر، دین و دنیا میں سرخرو ہونے کے لئے انہوں نے پاکستان کے پرچم تلے متحد اور منظم ہو کر آگے قدم بڑھایا۔

عہد غلامی میں ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرح سندھ میں بھی مسلمانوں کی حالت ابتر تھی۔ یہ ان اسباب میں سے ایک قوی سبب ہے کہ ہمارے پاس تحریکِ آزادی کے دور کی دستاویزات یا اور کوئی تحریری اور تصویری مواد محفوظ نہیں سوائے اُن چند تعزیتی خطوط اور قراردادوں کے جو نواب بہادر یار جنگ کی ناگہانی وفات پر سندھ کے رہنماؤں، عوامی اداروں اور پُرجوش قومی رضاکار طلباء کی طرف سے جاری کی گئی تھیں۔

وزیرِ اعظم سندھ، سر غلام حسین ہدایت اللہ نے کہا کہ "یہ ایک زبردست سانحہ ہے۔ ان کی موت مجموعی طور پر سارے ہندوستان اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔"

وزیرِ داخلہ سندھ الحاج محمد ہاشم گزدر نے کہا کہ "ہم نے اپنا بہترین کارکن اور مسلم ہند کے مفاد کا عظیم مجاہد کھو دیا۔ ان میں یقین کی جرأت تھی اور وہ صداقت اور قربانی کا نمونہ تھے۔

یوسف عبداللہ ہارون
(ولادت: ۱۹۱۶ء)

انہوں نے اپنی خداداد لاثانی قوتِ خطابت کو مسلم قوم میں نئی روح پھونکنے کے لئے استعمال کیا۔ وہ ہندوستان میں مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار تھے۔"

سندھ مسلم لیگ کے صدر اور رکن مجلسِ عمل اور مجلسِ عاملہ، کل ہند مسلم لیگ، سید غلام مرتضیٰ (جناب جی۔ ایم سید) نے کہا کہ "اپنے قلیل عرصۂ حیات میں مرحوم نے ملک و ملت کی فلاح کے لئے جو مخلصانہ خدمات انجام دیں ان کی قدر و منزلت سے ہر مسلمان کا دل معمور ہے۔ کاش ہم ان کی رفاقت سے اتنی جلد محروم نہ ہوتے۔"

مرکزی مجلسِ قانون ساز کے رکن اور کراچی میونسپل کارپوریشن کے میئر جناب یوسف ہارون نے ۲۷ جون ۱۹۴۴ء کو کارپوریشن کے ہنگامی اجلاس میں منظور کی گئی قرارداد بیگم بہادر یار جنگ کو ارسال کی جس میں کہا گیا تھا کہ "نواب بہادر یار جنگ ہندوستان کے عظیم مقرر تھے جنہوں نے اتحاد کے لئے بے لوث خدمات سر انجام دیں۔

حال ہی میں مسلم لیگ کانفرنس کے سلسلے میں انہوں نے اپنی موجودگی سے کراچی شہر کو اعزاز بخشا تھا اور شہر کی ہر مسرت یادیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

محمد یوسف خاں چانڈیہ، رکن صوبائی اسمبلی اور چیئرمین کراچی ضلع اسکول بورڈ کی زیرِ صدارت بورڈ کا تعزیتی اجلاس ہوا جس میں "مولوی بہادر خاں کی خدمات کو سراہا گیا۔" اسی طرح برانچ مسلم لیگ سکرنڈ (ضلع نواب شاہ) نے بھی اپنے ہنگامی اجلاس میں تعزیتی قرارداد پاس کی۔

شکارپور کے ایک طالب علم منصب علی انصاری نے بیگم بہادر یار جنگ کو نہایت خلوص اور رنج والم سے بھرپور تعزیتی خط لکھا۔ جس سے طالب علموں میں نواب صاحب کی عزت اور ان سے عقیدت واضح ہوتی ہے۔

جناب منصب علی نے لکھا ہے کہ "میں نے جب انہیں کراچی کے اجلاس میں دیکھا اور سنا تو ان کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور انہیں اپنا مرشد اور باپ تصور کر لیا جس کی انہیں خبر تک نہیں، ان کا انتقال مسلم ہند کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔"

بہادر یار جنگ اگر زندہ ہوتے تو آزادی کے بعد اول تو حیدرآباد کا وہ حشر نہ ہوتا جو بھارتی پولیس ایکشن کی وجہ سے ہوا، ممکن ہے کہ حالات اور واقعات ان کی توقعات کے مطابق نہ ہوتے اور اس حالت میں

بقیہ صفحہ ۴۲ پر

رسالہ اظہار

بقیہ حصہ مضمون

مجھے یقین ہے کہ فرزند ملت نواب بہادر یار جنگ
سندھ میں آباد ہوتے جہاں انہیں نظریاتی
طور پر آسودگی کا احساس ہوتا اور وہ پاکستان
کو جنت نشان بنانے میں ضرور کامیاب ہوتے ۔ کیونکہ
اگر خشت اول درست رکھی جائے تو عمارت کی استواری
اور عظمت یقینی بن جاتی ہے ۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں ۔

۸

نواب بہادر یار جنگ

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی
وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی

بہادر یار جنگ کے مکان میں ان کی وفات سے چند دن قبل درس اقبال کی مجلس منعقد تھی۔ مرحوم اسی زمانے میں شمالی ہند کے سفر سے واپس ہوئے تھے کہنے لگے لاہور میں ایک عجیب واقعہ سننے میں آیا۔ علامہ اقبال کی رحلت کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ ایک درویش صفت بزرگ ان کے سرہانے آئے اور تھوڑی دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد ایک شعر پڑھا اور اسی طرح واپس ہو گئے۔ وہ شعر یہ تھا:

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

جس انداز سے مرحوم نے یہ واقعہ سنایا وہ اس قدر موثر تھا کہ حاضرین مجلس پر رقت طاری ہو گئی۔ لیکن اس موقع پر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس شعر کا مضمون چند دن کے اندر خود ان کی ذات پر صادق آئے گا۔ اس دار فانی سے رخصت ہوئے انہیں سولہ برس بھی نہیں ہوئے ہیں لیکن سوائے چند احباب کے جن سے ان کے ذاتی تعلقات دیرینہ نہیں بلکہ شخصی طور پر استوار تھے، وہ سب لوگوں کی زبان سے شاذ و نادر ہی سننے میں آتا ہے۔

اس ۱۶ سالہ عرصے میں نہ صرف ان کی شخصیت اوجھل ہو گئی ہے بلکہ ان گراں بہا خدمات کا بھی جو انہوں نے ملت اسلامیہ کے لیے سرانجام دی تھیں، بہت کم لوگوں کو علم یا احساس ہے۔ حالانکہ اپنی بے مثال خطابت اور خداداد ذہانت کے ذریعے انہوں نے اس پورے برصغیر کے عامۃ المسلمین میں حریت اور جدوجہد آزادی کی روح پھونک دی تھی۔ بعض حلقوں میں کہا جاتا ہے کہ وہ حیدرآباد کے ایک مقامی لیڈر تھے اور بس۔ یہ لوگ شاید اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ ان کی زندگی کے آخری چند سالوں میں خود حیدرآباد کے باشندوں کو ان سے ایک مستقل شکوہ یہ تھا کہ وہ اپنی توانائی اور وقت کا اکثر و بیشتر حصہ کل ہند مسائل کے لیے وقف کرتے ہیں اور حیدرآباد کے مسائل کے لیے کم وقت نکال سکتے تھے۔ ان لوگوں کو ہمیشہ انہوں نے یہی جواب دیا کہ حیدرآباد کے مسئلے کا حل کل ہندوستان کے مسئلے کے صحیح حل پر منحصر ہے۔ جن لوگوں نے ناگپور، علی گڑھ، دہلی، لاہور، کراچی اور پشاور کے جلسوں میں ان کی سحر طرازیوں کا مظاہرہ دیکھا ہے انہیں معلوم ہے کہ ایک مرد مومن کے قلب کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے چند کلمات کس طرح مایوس اور نا امید انسانوں میں عزم و استقلال کی روح پھونک سکتے تھے اور وہ اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ بہادر یار جنگ کی حیثیت ایک مقامی رہنما بلکہ ایک سربرآوردہ کل ہند لیڈر کی تھی۔ حضرت قائداعظم جس طرح ان کو اپنا دست راست سمجھتے تھے اس سے بھی اکثر لوگ واقف ہیں اس بنا پر میرا خیال ہے کہ ان کی ناگہانی وفات صرف حیدرآباد کے لیے نہیں بلکہ مسلمانان ہند کے لیے بھی ایک سانحہ عظیم تھی جس کا اثر ملک کی تاریخ پر گہرا اور دور رس ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ مشیت ایزدی سے کسی کو کلیتاً واقفیت نہیں ہو سکتی اس لیے یہ حکم لگانا ممکن نہیں کہ کسی معاملے میں متبادل حالات کے تحت کیا ہوتا اور کیا نہ ہوتا لیکن یہ انسانی فطرت ثانیہ ہے کہ کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو کیا ہوتا۔ اسی جذبے کے زیر اثر بے ساختہ دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر موت کا بے رحم ہاتھ بہادر یار جنگ کو ہم سے بے وقت نہ چھین لیتا تو حیدرآباد کی تاریخ اور ہند و پاکستان کی تاریخ پر کیا اثر پڑتا۔ مرحوم یہ مقولہ اکثر دہرایا کرتے تھے کہ "مسلمان قوم بسا اوقات لڑائی جیت لیتی ہے لیکن صلح ہار جاتی ہے۔"

جن لوگوں نے ان کو قریب سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ نہایت تپاک اور مروت، خلوص و شرافت اور انسانیت کی خصوصیات کس قدر ان کی ذات میں جمع تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ بھی جو مسلک، مذہب اور ملک کے معاملات میں ان سے اختلافات رکھتے تھے ان اختلافات کے باوجود گرویدہ تھے اور ان کی دیانت اور راست بازی اور انصاف پسندی

پر یقین راسخ رکھتے تھے۔ شدید ترین سیاسی کشمکش کے زمانہ میں بھی۔

بہادر یار جنگ کے شخصی اور نجی تعلقات دوسری جماعتوں کے قائدین سے نہایت دوستانہ تھے اور ان اختلافات کا اثر ذاتیات پر کچھ نہیں پڑتا تھا خود مسلم عوام پر ان کا اثر اتنا زبردست تھا کہ لاکھوں آدمیوں کا بے قابو مجمع ان کے چند کلمات سن کر نظم و ضبط کے ساتھ واپس ہو جاتا تھا۔

وہ محض عوامی لیڈر ہی نہیں تھے بلکہ جن لوگوں کے حلقے ان کا بچپن سے اٹھنا بیٹھنا تھا وہ ان کے سچے اور مخلص دوست تھے اور انتہائی مصروفیت کے باوجود اپنے دوستوں سے ملنے کا وقت نکال لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے کسی عزیز دوست کی علالت یا کسی تکلیف کے وقت وہ گھنٹوں ان کے ساتھ گذار دیتے تھے۔ یہی وہ وقت ہوتا تھا جب ان کے ہم نشینوں پر ان کی حقیقی خوبیاں روشن ہوتی تھیں۔

سرور کائنات رسول مقبول صلعم کی ذات والا صفات سے ان کی بے پناہ عقیدت تھی اور جب کبھی آنحضرت صلعم کا نام گرامی خود ان کی یا کسی اہل محفل کی زبان پر آتا تو بے اختیار [illegible] ہوتے۔ درس اقبال کی ایک نشست میں غالب کی مشہور نعتیہ غزل کا یہ شعر۔

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است۔
لیکن کشاد او ز کمان محمد است

قرآن کے سامنے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا اور روتے روتے حالت دگرگوں ہو گئی یہاں تک کہ اہل محفل کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ کہیں حرکت قلب رک نہ جائے۔

امت مسلمہ کی فکر میں وہ ہمیشہ مضطرب رہتے تھے اور اسی کی خاطر انہوں نے اپنی جاگیر، اپنا [illegible] سے دستبردار ہونے میں کوتاہی نہیں کی عرب شاعر کے مشہور شعر کے مطابق ان کی موت ایک فرد واحد کی موت نہ تھی بلکہ قوم کی ایک پوری عمارت منہدم ہو گئی۔

اُردو [illegible]
پانچ سو سال
ماہنامہ [illegible]
[illegible]
فی شمارہ [illegible] /۸ روپے
مکتبہ [illegible] ای بی ۲۹۶۹

ایم۔ اے۔ خان

مردِ مومن — بہادر یار جنگ بہادر

میری زندگی کو وہ دن ہمیشہ یادگار رہے گا جب میرے ایک عزیز نے میری ملاقات نواب بہادر یار جنگ مرحوم سے کروائی۔ میں نے اس وقت تک نواب صاحب کی دو تقریریں سنی تھیں اور ان سے ملنے کا اشتیاق کشاں کشاں ان تک کھینچ لے گیا۔ نواب صاحب ان دنوں ہفتہ میں دو دن درس قرآن اور درس اقبال دیا کرتے تھے۔ میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو درس قرآن میں مصروف تھے اور حاضرین ان کے مضامین و تشریح سے تحیر خیز ہو رہے تھے۔ درس کے اختتام پر نواب صاحب میرے قریب تشریف لائے اور بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

میں ان دنوں کالج میں پڑھ رہا تھا۔ نواب صاحب نے

جن لوگوں نے نواب صاحب کی تقریریں سنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ پاک و ہند میں شاید ہی کوئی ایسا مقرر گزرا ہو جس نے اپنی تقریروں سے لاکھوں انسانوں کی کایا پلٹ دی۔ نواب صاحب ان معدودے چند لوگوں میں سے تھے جن کے نزدیک حق کی تبلیغ زندگی کا اولین مقصد رہا اور جنہوں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔

نواب صاحب کی زندگی کا مقصد ملک و قوم کی خدمت رہا۔ زندگی میں نواب صاحب کو بڑے کٹھن راستوں سے گزرنا پڑا لیکن انہوں نے ان تمام مشکلات پر قابو پا لیا۔ یہاں کی [illegible]

نواب بہادر یار جنگ مرحوم مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ جلسے سے خطاب کر رہے ہیں۔

بڑی دلچسپی سے میری تعلیم کے متعلق دریافت کیا اور ہمت بندھائی۔ گو اس واقعہ کو ایک عرصہ گزر چکا ہے لیکن اب بھی جب کبھی نواب صاحب کا خیال آتا ہے تو ان کا نورانی چہرہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ ایسا خلیق، متواضع اور خوش اخلاق انسان بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے جو ایک ملاقات ہی میں ملنے والے کو ہمیشہ کے لیے گرویدہ کر لے۔

نے نواب صاحب کو ان کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس مرد مجاہد نے اپنا مال و متاع اور اپنی جان کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا اور حق کے راستے سے نہ ہٹے۔ ان کی تقریریں جادو کا سا اثر رکھتی تھیں جس نے عوام کے قلوب کو مسخر کر لیا۔ نواب صاحب کے خلوص ہی نے تحریک کو [illegible] کہ نواب صاحب مسلم لیگ کی زبان اور قوم

سکے وہ لکھے۔

محمد بہادر خان ۳ فروری ۱۹۰۵ء کو بمقام حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ اور دارالعلوم میں حاصل کی۔ ابھی سولہ برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور گھر کی تمام ذمہ داریاں بہادر خان کے کندھوں پر آپڑیں۔ انھوں نے بڑی پامردی سے ناسازگار حالات کا مقابلہ کیا۔ حالات کے معمول پر آنے کے بعد نواب صاحبؒ بلادِ اسلامیہ میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اس سفر میں نواب صاحب نے فلسطین، شام، مصر، ترکی، ایران اور افغانستان کا دورہ کیا۔

سفر سے واپسی کے بعد تبلیغ کے کاموں میں اُلجھ گئے۔ جب کچھ فرصت ملی تو میلاد النبی اور سیرت کے جلسوں میں تقریریں کرنا شروع کیں۔ نواب صاحب کی تقریریں اس زمانے میں سیرت النبی کے جلسوں میں جان ڈال دیتی تھیں اور لوگوں کا بے پناہ ہجوم نواب صاحب کی تقریریں سننے ان جلسوں کا رُخ کرتا تھا۔

ایک مرتبہ نواب صاحب حیدرآباد کے وکٹری پلے گراؤنڈ میں میلاد النبی کے ایک جلسے کو مخاطب کر رہے تھے۔ اس جلسے میں حیدرآباد کے علماء کے علاوہ ہندوستان کے مشہور علماء اور حضور نظام بھی شریک تھے۔ نواب صاحب نے ایسی پُراثر تقریر کی جس سے عوام بے انتہا متاثر ہوئے۔ حضور نظام نے دوسرے دن محمد بہادر خان کو نواب بہادر یار جنگ کا خطاب دیا اور عوام نے خوش ہو کر نواب صاحب کو لسان الامت کے خطاب سے نوازا۔

نواب صاحب کو جب ریاستی کاروبار سے فرصت ملی تو انھوں نے قائدِاعظم محمد علی جناح کا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ ان دنوں مسلم لیگ ابتدائی مدارج طے کر رہی تھی اور عوام کو مسلم لیگ کا ہم خیال بنانے کے لیے اچھے لیڈروں کی کمی تھی۔ قائدِاعظمؒ نے نواب صاحبؒ کی خدمات حاصل کیں اور نواب صاحبؒ نے مسلم لیگ سے ہر طرح تعاون کیا۔ ان کی ایسی بے لوث خدمات کی وجہ سے شاید ہی کوئی مسلم لیگ کا جلسہ ہوتا ہو جہاں قائدِاعظمؒ نواب صاحبؒ کو نہ بلاتے تھے۔

لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا جس کو شرپسندوں نے ناکام بنانے کے لیے دوران جلسہ میں ہنگامے شروع کیے۔ قائدِاعظمؒ بہت پریشان تھے آخر انھوں نے نواب صاحبؒ سے درخواست کی وہ اس گڑبڑ کو ختم کریں۔ نواب صاحبؒ مردِ مجاہد کی طرح سٹیج پر تشریف لائے اور اپنی تقریر شروع کی۔ جیسے جیسے پڑھتے جاتے تھے عوام پر سحر طاری ہوتا جا رہا تھا اور تھوڑی ہی دیر میں مکمل سکوت طاری ہو گیا اور نواب صاحبؒ کی آواز کے سامنے حاضرین بُت بن گئے۔ قائدِاعظمؒ بہت خوش ہوئے اور جب ان کی اپنی باری آئی تو کہا: "بہادر یار جنگ کے بعد کسی اور کا بولنا خلافِ ادب ہے۔"

۱۹۳۹ء میں قائدِاعظمؒ کے حیدرآباد تشریف لانے پر ان کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ داہنے جانب نواب بہادر یار جنگ مرحوم کھڑے ہیں۔

نواب صاحبؒ ابتدائی زمانے میں پہلی مرتبہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سٹیج پر تشریف لائے تو طلباء نے نواب صاحب کا امتحان لینے کی ٹھانی۔ نواب صاحب نے جو جملہ کہا وہ یہ تھا: "جانتا ہوں یہ سرزمین علی گڑھ ہے اور یہاں ہر مقرر کا امتحان لیا جاتا ہے مگر میں ایک مردِ مومن ہو کر بے امتحان کی زندگی کو موت سے بدتر سمجھتا ہوں۔"

بس یہی ایک جملہ ابھوٹے مجمع میں سکوت چھا گیا اور دو گھنٹے کی مسلسل تقریر کے بعد بھی طلباء نے اصرار کیا کہ نواب صاحب کچھ دیر اور بولیں۔

الٰہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ مسلم لیگ کے لیے چندے کی سخت ضرورت تھی۔ تقریباً سات لاکھ روپیہ کی اپیل کی لیکن چندہ بمشکل ساٹھ ستر ہزار روپیہ جمع ہوسکا۔ قائدِاعظمؒ سخت پریشان تھے۔ نواب صاحبؒ سے ذکر کیا تو نواب صاحبؒ نے کہا: "آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ آج ہی انتظام ہو جائے گا۔" جلسے کے اختتام پر نواب صاحبؒ نے بڑی پُراثر تقریر کی اور آخر میں کہا کہ "جو مال کا ایثار نہیں کر سکتے وہ جان کیا دے سکتے ہیں۔"

ان الفاظ نے جادو کا اثر کیا اور مسلمان چندہ دینے ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں سوا لاکھ روپیہ چندہ جمع ہو گیا۔

جن لوگوں نے نواب صاحبؒ کی تقریریں سنی ہیں ان کے کان ابھی تک اس آواز سے آشنا ہیں جو لاکھ ہا دلوں کی دھڑکن اور کروڑوں انسانوں کے قلوب کو مسخر کر لیتی تھی۔ اور جس نے

نواب بہادر یار جنگ مرحوم

ہندوستان کی سیاست کا رخ موڑ دیا۔ جب مسلم لیگ سرحد میں صوبائی وزارت کے لیے الیکشن لڑنے کھڑی ہوئی تو قائد اعظمؒ نے محسوس کیا کہ سابق صوبہ سرحد میں کسی آہنی ارادے والے مرد مومن کو بھیجنا ضروری ہے چنانچہ نواب صاحبؒ کو بھیجا گیا جنھوں نے اپنی تقریروں کے زور سے صوبہ سرحد کے عوام کی قسمت بدل دی۔ یہی وجہ ہے کہ قائد اعظمؒ نے نواب صاحبؒ کے متعلق ارشاد فرمایا:—

"اعلیٰ حضرت حضور نظام کی رعایا کی حیثیت سے اگرچہ نواب بہادر یار جنگ کا کوئی دستوری تعلق مسلم لیگ سے نہیں ہے لیکن بڑے نازک موقعوں پر نواب صاحبؒ میرے لیے بہترین رہبر ثابت ہوئے ہیں۔ نواب صاحبؒ نے مسلمانان حیدر آباد کی تنظیم میں جس قابلیت کا ثبوت دیا ہے وہ ہم سب کے لیے باعث فخر و مسرت ہے۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے۔ آمین"

اس طرح نواب صاحبؒ کو قائد اعظمؒ سے دلی عقیدت تھی اور ان پر اعتماد کلی تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ گاندھی اور نہرو کو سیاست میں شکست دینے والا محمد علی جناح کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ نواب صاحبؒ نے پوری زندگی باطل سے جہاد اور اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کر دی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کم از کم پانچ ہزار غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں جا کر تبلیغ کا کام کرتے تھے اور کبھی نہ تھکتے تھے۔ دوران سفر میں نواب صاحب کو

اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا لیکن نواب صاحبؒ نے کبھی شکایت نہیں کی۔

نواب صاحبؒ اسلام کے سپاہی اور مرد مومن تھے

جو بقول اقبالؒ ہے

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

—جن کے دل میں قوم کے لیے درد تھا جن کو خدا سے بے پناہ محبت تھی اور جنھوں نے اسلامی اصولوں کی اشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی اور وقت آنے پر مال و متاع و جان سب کچھ نچھاور کر دیا۔

۲۵ر جون ۱۹۴۴ء کی وہ شام شاید تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی جب نواب صاحبؒ کے ایک قدیم دوست جسٹس ہاشم علی خاں کے ہاں نواب صاحبؒ تھے اور دعوت میں دعوت تھی۔ بعد نماز مغرب نواب صاحبؒ تشریف لے گئے۔ ابھی کھانے میں کچھ دیر تھی اس لیے ایک حقہ نواب صاحبؒ کے قریب لا کر رکھ دیا گیا۔ ابھی نواب صاحبؒ ایک کش بھی نہ لینے پائے تھے کہ ایک زبردست جھٹکا محسوس ہوا اور ساتھ ہی ساتھ غشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس مرد حق نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ عوام نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ نواب صاحبؒ کی موت کی تحقیقات کروائے لیکن حکومت نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ اس لیے نواب صاحبؒ کی پراسرار موت آج بھی ملک و قوم کے دامن پر دھبہ ہے۔

مشیرآباد کے مقام پر نواب بہادر یار جنگ مرحوم کا مقبرہ